ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے والی
مختلف ۲۸ اسلامی موضوعات پر مبنی

علمی نشری تقریریں

مرتب و مقرر

محمد صدیق ہزاروی

علمی، اخلاقی، سماجی اور معاشرتی مسائل پر

ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر ہونے والی اٹھائیس

مرتب و مقرر

مولانا محمد صدیق ہزاروی

پروگریسو بکس

۴۰-بی، اُردو بازار، لاہور

فون: ۷۳۵۲۷۹۵

☆ نام کتاب	⬅	علمی نثری تقریریں
☆ تالیف و تقریر	⬅	مولانا محمد صدیق ہزاروی
☆ تقدیم	⬅	شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری
☆ کمپوزنگ	⬅	عارف علی قادری (کہکشاں کمپوزنگ سنٹر)
☆ صفحات	⬅	184
☆ تاریخ اشاعت	⬅	جون ۱۹۹۸ء
☆ ناشر	⬅	میاں غلام رسول
☆ پرنٹرز	⬅	ذاہد بشیر پرنٹرز
☆ ہدیہ	⬅	

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین اسلام ایک ایسا نظام حیات ہے جس کا ہر پہلو روشن ' تابناک اور معاشرتی امن و سکون کا باعث ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ دین خالق کائنات کی رحمت و حکمت کا امین اور ہادی دوجہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عالمگیر رحمت کا عکس جمیل ہے یہی وجہ ہے کہ اس نظام حیات میں حسن فطرت کی جلوہ گری پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہے

لیکن اس کے باوجود سعادت مندی کا گوہر آبدار اسی وقت ہاتھ آ سکتا ہے اور خوش بختی کے ثریا تک رسائی اس وقت ممکن ہے جب انسان رحمن و رحیم جل جلالہ کی تعلیمات و احکام کو اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں حرز جاں بنا کر صراط مستقیم پر گامزن ہو۔

اور یہ بات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک قرآن و سنت کی تعلیمات سے آگاہی اور اسوہ رسول ﷺ سے شناسائی نہ ہو

بنابریں جہالت کی وادیوں سے نکل کر علم کی شاہراہ پر چلنا ہر مسلمان کی شرعی اور اخلاقی ذمہ داری ہی نہیں ' فلاح دارین کی ضمانت بھی ہے

ریڈیو پاکستان لاہور " صراط مستقیم " پروگرام کے ذریعے مختلف معاشرتی ' معاشی ' سماجی اور اصلاحی عنوانات پر اہل علم و دانش کے خطابات و تقاریر کے ذریعے ملک و ملت کو علم کی دولت سے مالا مال کر رہا ہے

موجودہ دور کے تناظر میں جب کہ عیاشی اور فحاشی ' ناچ گانے اور اخلاقی گراوٹ کے آئینہ دار پروگراموں کو ایک اسلامی نظریاتی مملکت کی تہذیب اور کلچر قرار دیا جا رہا ہے ' صراط مستقیم ایسے پروگرام قابل قدر اور حوصلہ افزا ہیں۔ اگرچہ نظریہ پاکستان کے حوالے سے اس پروگرام کو آٹے میں نمک کے برابر کہنا بھی مبالغہ آرائی کے سوا کچھ نہیں۔

تاہم عربی محاورے مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ " اور انگریزی محاورے

"SOMTHING IS BETTER THAN NOTHING"

(بالکل نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے) کے تحت یہ بھی غنیمت ہے۔

راقم کو ایک عرصہ سے ریڈیو پاکستان لاہور کی وساطت سے ملت اسلامیہ پاکستان تک اسلامی دینی پیغام پہنچانے کا شرف حاصل ہے شروع شروع میں " آگہی " کے عنوان سے پوچھے گئے فقہی سوالات کے جوابات کی ذمہ داری نبھائی جاتی رہی اور اب کچھ عرصہ سے کسی اہم معاشرتی اخلاقی اور سماجی موضوع کے تحت تقریر کے ذریعے " صراط مستقیم "

پروگرام میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

ریڈیو پر نشر ہونے والی تقاریر اگرچہ تحریری صورت میں ہوتی ہیں لیکن جب تک ان کو کتابی صورت نہ دی جائے ان کا محفوظ رہنا اور عمومی استفادہ کی راہ ہموار ہونا مشکل ہے۔

لہٰذا سوچا گیا کہ ان تقاریر کو کتابی صورت میں منظر عام پر لایا جائے تاکہ نہ صرف یہ کہ یہ تقاریر زندہ جاوید بن جائیں ہر شخص کے لئے ان تک رسائی بھی آسان ہو۔

اس کتاب میں اٹھائیس تقاریر جمع کی گئی ہیں جو نہایت اہم موضوعات پر مشتمل ہیں ان تقاریر میں قرآن و سنت کی نصوص اور سائنسی منطقی انداز کو یکجا کرنے کے علاوہ ہر تقریر کے آخر میں حوالہ جات کی فہرست بھی دے دی گئی ہے

لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ یہ کتاب دینی مدارس کے طلباء مساجد کے آئمہ و خطبا حضرات اور ہر اس شخص کے لئے یکساں مفید ہے جو علمی ذوق کی دولت سے مالا مال ہے

میں اپنے شفیق استاذ اور مربی شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے تقدیم تحریر فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی" اور پروگریسو بکس اردو بازار کے میاں غلام رسول صاحب نے کتاب کی اشاعت کے ذریعے تعاون فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

علاوہ ازیں میں ریڈیو پاکستان کے ڈائریکٹر جنرل جناب خواجہ اعجاز سرور صاحب اور لاہور مرکز کے ڈائریکٹر جناب محمد اکرم چودھری صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے نہایت فراخ دلی سے ان تقاریر کو کتابی صورت میں لانے کی اجازت مرحمت فرما کر اس کتاب کے افادہ و استفادہ کو عام کرنے میں مدد دی ہے

بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہوں کہ وہ ذات کریم اس کتاب کو راقم کے لئے نجات اور قارئین کے لئے علمی فروغ اور صراط مستقیم سے کامل وابستگی کا ذریعہ بنائے۔

آمین ثم آمین بجاہ نبیہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم ﷺ

محمد صدیق ہزاروی

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ / 31 اکتوبر 1997ء

تقدیم

از شیخ الحدیث علامہ

محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

اللہ تعالیٰ کے احکام اس کے حبیب پاک ﷺ نے صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کو پہنچائے اور انہیں حکم دیا کہ **بلغوا عنی ولو آیۃ** (الحدیث) ہماری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو

اور تبلیغ احکام الٰہیہ کا فریضہ انجام دینے والوں کو دعا دیتے ہوئے فرمایا:

نضر اللہ امرء سمع مقالتی فوعاھا و اداھا کما سمع فرب مبلغ اوعیٰ لہ من سامع (اوکما قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز اور شاداب فرمائے جس نے ہماری گفتگو سنی، اسے محفوظ کیا، اور جس طرح وہ گفتگو سنی آگے پہنچا دی، کیونکہ بہت سے وہ لوگ جنہیں پہنچائی جائے گی وہ اسے سننے والوں سے زیادہ محفوظ کرنے والے ہوں گے۔

اس طرح سرکار دو عالم ﷺ نے تبلیغ اسلام کا ایک نظام قائم فرما دیا، اور ہر دور کے اہل علم و فضل نے سعادت جانتے ہوئے احکام ربانیہ اور ارشادات نبویہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ کی مفسرین نے اللہ تعالیٰ کی کتاب مبارک کی تفسیریں لکھیں محدثین نے احادیث کے مجموعے تیار کئے اور آئمہ مجتہدین نے کتاب و سنت سے مستفاد احکام کو فقہی کتابوں میں مرتب اور منظم انداز میں پیش کیا، اس طرح امت مسلمہ احکام اسلام سے روشناس ہوتی رہی۔

آج ہم احکام الٰہیہ سے بہت حد تک بے خبر ہیں اور عمل سے کوسوں دور، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ فتنہ و فساد ہر طرف پھیلا ہوا ہے، لادینیت کی یلغار ہے، عریانیت عروج پر ہے، دھوکہ، فریب، ملاوٹ، رشوت ستانی، ناجائز اقرباء پروری کا دور دورہ ہے۔ انڈین ٹی وی، انڈین فلمیں، انڈین گانے نہ صرف پاکستان کی نوجوان نسل کے اخلاق تباہ کرنے کے درپے ہیں بلکہ ان کے عقائد اور ایمان کی بربادی کا سوچا سمجھا منصوبہ بروئے کار لا رہے ہیں۔

کسی بس یا ویگن میں بیٹھ جائیں یا گلی گلی قائم میوزک سنٹر کے پاس سے گزریں تو آپ کو اس قسم کے گانے سننے کو ملیں گے۔

پتھر کے صنم ہم نے تجھ کو محبت کا خدا جانا

یا اس قسم کے گانے سنائی دیں گے

محبت تو ہر کوئی کرتا ہے مگر

اے جان وفا میں تیری عبادت کرتا ہوں

یہ کھلم کھلا شرک و بت پرستی کا پرچار ہے:

یہ گانا بھی آپ کو سننے کے لئے ملے گا

حسینوں کو آتے ہیں کیا کیا بہانے؟ خدا بھی نہ جانے تو ہم کیسے جانیں؟

یہ کھلم کھلا علم الٰہی کا انکار اور کفر ہے۔

ہمارے نوجوان ڈرائیور سے تقاضا کرتے ہیں کہ استاد ٹیپ لگا دو اور اس قسم کے گانے شوق سے سنتے ہیں۔ نہ تو سننے والے نوٹ کرتے ہیں کہ یہ کیا کفر بکا جا رہا ہے؟ اور نہ ہی حکومت کی طرف سے اس بیہودگی کا نوٹس لیا جا رہا ہے۔ علماء بھی خاموش ہیں اور خاص طور پر توحید پر زور دینے والے علماء بھی منقار زیر پر ہیں۔ آخر اس غلط روش پر کون احتجاج کرے گا اور کون اس کا سدباب کرے گا۔

۱۲ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو راقم فیصل آباد سے لاہور آنے کے لئے بس پر سوار ہوا، حسب معمول ایک نوجوان نے ڈرائیور سے کیسٹ کی فرمائش کی' اس نے کیسٹ لگائی وہی گانا لگایا جس کا ایک مصرع اوپر درج کیا جا چکا ہے ع اے جان وفا میں تیری عبادت کرتا ہوں۔ سب لوگ خاموشی سے سن رہے تھے۔ میں نے ڈرائیور کو کہا: یہ شخص کفر اور شرک کے کلمات بک رہا ہے کیوں لوگوں کا ایمان ضائع کرتے ہو؟ اس وقت تو اس نے گانا بند کر دیا' کچھ دیر کے بعد پھر چالو کر دیا' پھر بھی کسی آدمی نے احتجاج نہ کیا' انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ وہ مشرکانہ سلو پوائزن ہے جو مسلمانوں کے کانوں میں انڈیلا جا رہا ہے اور کوئی ٹس سے مس نہیں ہو رہا۔ حالانکہ سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ تم میں سے جو شخص منکر (خلاف شریعت کام) دیکھے تو اسے ہاتھ سے تبدیل کرے' اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو زبان سے منع کرے' اور اگر ایسا بھی نہ کر سکتا ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین مرتبہ ہے (الحدیث)

اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اگر مخالف شریعت کام دیکھ کر دل سے بھی برا نہیں جانتا تو معاذ اللہ! انسان ایمان کے کمزور ترین مرتبے سے بھی محروم ہے۔

ان حالات میں علماء دین کی ذمہ داری ہے کہ بھرپور انداز میں دین کی تبلیغ کریں اور ہر شخص تک احکام اسلامیہ پہنچائیں

فاضل علامہ مولانا محمد صدیق ہزاروی خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم دین کا وافر حصہ عطا فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ہی انہیں یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ دینی علوم کی تعلیم میں اپنے اوقات صرف کریں، نیز تقریری و تحریری طور پر تبلیغ دین کے مواقع عطا فرمائے ہیں۔ وہ حالات حاضرہ کے مطابق مقالات لکھتے ہیں جو قومی اخبارات میں شائع ہوتے ہیں، چھوٹے چھوٹے رسائل مثلاً تعلیم نماز، تجہیز و تکفین، تقسیم وراثت، حلالہ کی شرعی حیثیت اور مسائل قربانی وغیرہ شائع کر کے تقسیم کرتے ہیں، کاش کہ ہمارے نوجوان علماء اور فضلاء ان کی مصروف زندگی سے سبق حاصل کریں اور تبلیغ دین کو کاروبار نہیں، فریضہ جان کر ادا کریں اور تضییع اوقات سے گریز کریں۔

پیش نظر کتاب مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی سلمہ اللہ تعالیٰ کے ان خطابات کا مجموعہ ہے جو ریڈیائی لہروں کے ذریعے لاکھوں انسانوں تک پہنچے، اب انہیں مزید افادیت کے نکتہ نظر سے کتابی صورت میں شائع کر رہے ہیں، چند اہم عنوانات یہ ہیں۔

اتباع قرآن و سنت، قرآن مجید حاکم ہے، اسلام اور مساوات، تخلیق انسان کا مقصد اظہار بندگی، نماز کی پابندی، تزکیہ قلب کا مہینہ، بے حیائی سے اجتناب اور خدمت خلق وغیرہ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ انسانوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے، بحرمۃ حبیبہ الکریم ﷺ وعلی آلہ و اصحابہ وسلم

آمین!

محمد عبدالحکیم شرف قادری

۷ رجب ۱۴۱۸ھ

۸ نومبر ۱۹۹۷ء

From: Muhammad Akram Ch.
Station Director

PAKISTAN BROADCASTING CORPORATION
LAHORE

REFERENCE NUMBER

TELEGRAMS & CABLES
BROADCAST

No. DDL/PA(7)/98-2298 Dated: February 18, 1998

My dear محترم مولانا محمد صدیق ہزاروی صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

Reference your application and our letter dated January 10, 1998 addressed to PBC Headquarters for permission to allow you to publish your talks in the form of a book.

The Headquarters has issued permission vide their letter No.H-13(13)/98 dated January 24, 1998. The conditions for this permission are contained in that letter and a photo copy of the same is enclosed for information. You are being issued this permission and requested to follow these conditions strictly while publishing the talks broadcast from PBC.

Sincerely yours,

Encl: As above

(Muhammad Akram Chaudhry)

Maulana Muhammad Siddique
Hazarvi,
Jamia Nizamia Rizvia
Inside Lohari Gate,
Lahore.

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

پردہ پوشی

یٰۤاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوا	اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں
کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ	سے بچو بے شک بعض بدگمانیاں گناہ
اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ	ہیں نہ ایک دوسرے کی جاسوسی کرو
بَّعْضُکُمْ بَعْضًا (1)	اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو

وساتیر حیات میں وہ دستور کامل، جامع اور قابل عمل بلکہ پسندیدہ اور ہر دلعزیز ہوتا ہے جو معاشرتی زندگی کو پرسکون، پرامن اور رحمت و رافت کا گہوارہ بنائے اور نوع انسانی کی عزت جان اور مال کو تحفظ فراہم کرے۔

بلاشبہ یہ دستور حیات اور دین حق صرف اور صرف اسلام ہے جو نہ صرف اپنے ماننے والوں بلکہ منکرین کو بھی پیغام رحمت سے نوازتا ہے اس سلسلے میں سرکار دوعالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نہایت جامع ہے آپ نے فرمایا

اَسْلِمْ تَسْلَمْ (2)	اسلام کے دامن رحمت سے وابستہ ہو جاؤ امن و سلامتی کے قلعے میں محفوظ ہو جاؤ گے۔

دین اسلام میں انسانی عزت کو یوں تحفظ دیا گیا ہے کہ کسی انسان کے عیوب اور خرابیوں کو ظاہر کرنے کی بجائے انہیں چھپانے اور ان پر پردہ ڈالنے کی تلقین کی گئی ہے سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا

مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (3) جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

اس حدیث میں اشارتاً" عیب جوئی سے منع فرمایا گیا بلکہ اس بات کو بھی واضح کیا گیا کو جو شخص قیادت کے دن جب کہ تمام امتوں کا اجتماع ہو گا، رسوائی اور ذلت سے بچنا چاہتا ہے اور اپنے عیبوں پر ستر خداوندی کی چادر کا خواہاں ہے اسے دنیا میں دوسروں کی عیب جوئی سے باز رہنا ہو گا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں عیب جوئی سے منع فرمایا ارشاد خداوندی ہے

وَلَا تَجَسَّسُوْا (4) اور کسی کے عیب تلاش نہ کرو

عیب جوئی اتنا بڑا جرم ہے جو سود سے بھی زیادہ نقصان وہ ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ مِنْ اَرْبَی الرِّبَا الْاِسْتِطَالَۃُ فِی عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَیْرِ حَقٍّ (5) بے شک سب سے بڑا سود ناحق طور پر کسی مسلمان کی عزت کے پیچھے پڑنا ہے۔

چونکہ سود خور مسلمان کے مال کو لوٹتا ہے اور اسے مالی نقصان پہنچاتا ہے جبکہ عیب تلاش کرنے والا مسلمان کی عزت نفس کو مجروح کرتا اور یقیناً مال کے مقابلے میں انسانی عزت زیادہ قیمتی اور اہم ہے اس لئے عیب جوئی سود کھانے سے بھی بڑا جرم ہے۔

اس حدیث میں "بِغَیْرِ حَقٍّ" کے الفاظ ایک ضابطہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ یہ کہ جہاں کسی شخص کا عیب ظاہر کرنا ضروری ہو وہاں اس کے بیان کرنے

میں کوئی حرج نہیں جیسے کوئی مظلوم ' حاکم سے ظالم کی شکایت کرے اور اس کی زیادتیوں کو منظر عام پر لائے یا کوئی شخص ملک دشمن سرگرمیوں میں مصروف ہو تو اس کی حرکات و سکنات سے ارباب اقتدار کو آگاہ کرنا گناہ نہیں بلکہ قومی و ملی خدمت ہے اسی طرح اس شخص کی خرابیوں سے آگاہی حاصل کر کے امت مسلمہ کو اس کے ضرر سے بچانا بھی ضروری ہے جس کے گناہ کا اثر اس کی ذات تک محدود نہ ہو بلکہ معاشرے کے دوسرے افراد تک متعدی ہو۔

لیکن کسی شخص کے ان عیبوں کی ٹوہ لگانا جن کا نقصان اس کی ذات سے متجاوز نہیں ہوتا نہ صرف یہ کہ اس مسلمان کو اذیت پہنچانا ' منافقت اور بغض و عداوت کا دروازہ کھولنا ہے بلکہ خود اپنی ذات کو نقصان پہنچانا اور ذلیل و رسوا کرنا ہے نبی اکرم ﷺ نے پر جلوہ افروز ہو کر منافقین کو مخاطب کرتے ہوئے بلند آواز سے فرمایا

لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ (6)	مسلمانوں کو ایذا نہ پہنچاؤ اور نہ انہیں عار دلاؤ نہ ان کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑو بے شک جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پوشیدہ باتوں کو ظاہر کرتا ہے اور اسے ذلیل و رسوا کرتا ہے اگرچہ وہ اپنے گھر میں ہو۔

اس حدیث کے الفاظ پر غور کیجئے ہادی دو جہاں رحمت للعالمین ﷺ

نے نہی کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں کی عیب جوئی کو حرام قرار دیا اور اس گھناؤنے جرم کے مرتکب شخص کو اس کے نتائج سے بھی آگاہ فرمایا کہ جب وہ دوسرے شخص کے عیب تلاش کر کے اسے ذلیل و رسوا کرنا چاہتا ہے تو اسے اس بات کا احساس بھی ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو انسان کے تمام اعمال سے باخبر ہے جب وہ اس کی پردہ پوشی فرما رہا ہے تو یہ شخص مسلمان کی عیب جوئی کر کے نہ صرف اپنے رب کو ناراض کرتا ہے بلکہ حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی کی بنیاد پر خود اپنے لئے ذلت و رسوائی کا گڑھا کھودتا ہے۔

اس حدیث کے آغاز میں رسول معظم ﷺ نے جو انداز تخاطب اپنایا اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مسلمان کی عیب جوئی وہی لوگ کرتے ہیں جو منافقت کا شکار ہوتے ہیں۔ آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَمْ يَفِضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ (7)

اے وہ لوگو! جو زبان سے اسلام کا دعوی کرتے ہو لیکن تمہارے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا۔

فصاحت و بلاغت کے امام سید الانبیاء ﷺ نے اس حکمت بھرے ارشاد میں آگاہ فرمایا کہ جس شخص کا دل نور ایمان سے منور ہوتا ہے وہ کبھی بھی مسلمان بھائی کی عیب جوئی نہیں کرتا۔ عیب جوئی صرف باہمی منافقت اور عیب جو کی ذلت و رسوائی کا باعث ہی نہیں بلکہ اس سے معاشرتی بگاڑ کی راہیں بھی کھلتی ہیں اور بد امنی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّکَ اِنِ اتَّبَعۡتَ عَوۡرَاتِ النَّاسِ اَفۡسَدۡتَّھُمۡ اَوۡکِدۡتَّ اَنۡ تُفۡسِدَھُمۡ (8)

اگر تم لوگوں کی پوشیدہ باتوں کے درپے ہو گے تو انہیں خراب کر کے چھوڑو گے۔ یا قریب ہے کہ ان کو خراب کر دو

گویا انسان کی نجی زندگی میں دخل اندازی ممنوع ہے اور اسلام نے انسان کو احترام اور تحفظ عطا فرمایا اگر اس احترام کو پامال کیا جائے تو ایسا معاشرتی بگاڑ پیدا گا جو پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے کر کائنات انسانیت کو تہس نہس کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔

ایسے افراد جو اپنی کج فہمی حسد و کینہ یا تکبر و غرور کی بنیاد پر دوسروں کے عیب تلاش کرتے ہیں رسول خدا ﷺ نے انہیں ایسی راہ بتائی ہے جس پر چل کر نہ صرف یہ کہ وہ اپنی زندگی کو درست کر سکتے ہیں بلکہ دوسروں کی ایذا رسانی سے اجتناب کرتے ہوئے محبت و یگانگت ' اخوت و مودت اور رحمت و رافت کو فروغ دے سکتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

طُوۡبٰی لِمَنۡ شَغَلَہٗ عَیۡبُہٗ عَنۡ عُیُوۡبِ النَّاسِ (9)

اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو اپنے عیب تلاش کرنے میں مصروف رہ کر دوسروں کی عیب جوئی سے باز رہتا ہے۔

ہادی دوجہاں ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو بار بار پڑھئے آپ نے کتنی حکمت بھری بات ارشاد فرمائی ہے کیونکہ جب آدمی اپنے عیب تلاش کرے گا تو اپنی اصلاح کی طرف توجہ دے گا اور یوں وہ جتنی دیر اپنے عیبوں کی تلاش اور

اصلاح میں مصروف رہے گا اتنا وقت دوسروں کی عیب جوئی سے محفوظ ہو گا بلکہ جب اس کی اپنی صلاح ہو جائے گی تو اب وہ دوسروں کی عیب جوئی کا تصور بھی نہیں کرے گا۔

رسول اکرم ﷺ نے اس جرم سے باز رہنے کا ایک اور اہم نسخہ بھی بتایا ہے اور وہ باہمی بھائی چارہ ہے کیونکہ جب انسان کسی کو اپنا بھائی سمجھتا ہے تو اس کی خیر خواہی کرتا ہے اس کے لئے برائی کا خواہاں نہیں ہوتا آپ نے فرمایا

" ایک دوسرے سے حسد نہ کرو باہم دشمنی نہ کرو ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کی غیبت کرو اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ (10)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخوت اسلامی کے جذبہ سے سرشار فرمائے نیز اپنے مسلمان بھائی کی غیرت کو تحفظ دینے اور اس کی خیر خواہی کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیتہ والتسلیم

مراجع

1- قرآن مجید 12'49

2- صحیح بخاری جلد دوم ص 5 باب بدء الوحی

3- مشکوۃ شریف ص 422 باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق

4- قرآن مجید 12'49

5- مشکوۃ شریف ص 429 باب ماینھی من التھاجر

6- " " " " "

7- " " " " "

8- سنن ابی داؤد جلد 2 ص 314 کتاب الادب باب فی التجسس

9- کنزالعمال جلد 15 ص 865 حدیث 43444

10- صحیح مسلم جلد 2 ص 316 کتاب والصلۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تخلیق انسان کا مقصد اظہار بندگی

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (1)

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔

خالق کی ہر تخلیق مبنی بر حکمت اور صانع کی ہر مصنوع با مقصد ہوتی ہے۔ زمین و آسمان ' شمس و قمر ' شجرو حجر ' بحروبر ' نباتات و جمادات ' چرند و پرند ' حتیٰ کہ موت و حیات بھی حکمت خداوندی اور خاص مقاصد کی تکمیل کے لئے خلعت تخلیق سے مزین اور وجود امکان سے مرصع ہیں۔

دنیا کا کوئی کاریگر ' کوئی صانع ' اور کوئی موجد جب بھی کوئی چیز ایجاد کرتا یا بناتا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے اگر وہ چیز ان مقاصد کی تکمیل میں ممدود و معاون ثابت ہوتی ہے تو وہ قابل قدر اور لائق صد تحسین ہے اور اگر ر. مقاصد صانع کو پورا کرنے میں ناکام ہو جائے تو اپنی قیمت کھو بیٹھتی ہے اب وہ خاص حفاظت لی مستحق نہیں رہتی۔ بلکہ ردی اور ناکارہ اشیاء کی طرح کباڑ خانے کی زینت بن جاتی ہے۔

جب کسی انسان کی بنائی ہوئی اشیاء بیکار نہیں ہوتیں بلکہ انکا کوئی خاص مصرف اور مقصد ہوتا ہے تو خالق کائنات کی تخلیق کس طرح بے مقصد ہو سکتی ہے حالانکہ وہ علیم و حکیم ذات ہے علم و حکمت کے دھارے اسی مرکز سے چلتے

ہیں، شمع حکمت کو روشنی اسی سے میسر ہوتی ہے اور کشت حکمت کی ثمرباری اسی کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔

اگر سورج کا کام گرمی اور روشنی دینا ہے تو چاند کا مقصد تخلیق نہایت میٹھی اور ٹھنڈی چاندنی سے متمتع کرنا ہے۔ اگر سمندر اور دریا کشت ویران کو شادابی کی دولت سے مالامال کرتے ہیں، تو زمین شجرو حجر کا گہوارہ ہوتی ہے۔

چونکہ انسان تمام مخلوق خداوندی سے اشرف قرار پایا ہے اسی کے سر پر کرامت کا سہرا سجتا ہے اور وہی مسجود **ملائکہ** ٹھہرتا ہے وہی خلافت و امانت خداوندی کا امین ہے اور علم الٰہی کا استحقاق بھی اسے ہی حاصل ہے اس لئے اسکی ذمہ داری اور اسکا مقصد حیات تمام مخلوق خداوندی کے مقاصد تخلیق سے ارفع اور اعلیٰ ہے اور یہ مقصد "اللہ تعالیٰ کی بندگی" ہے جس کا دوسرا نام "اسلام" ہے، گویا انسان کا فریضہ یہ ہے کہ اس کا ہر عمل حکم خداوندی کے تابع اور منشائے الٰہی کے مطابق ہو۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (2)

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔

عبادت، **تذلل**، عاجزی، اور سر تسلیم خم کرنیکا نام ہے۔ کبریائی شان خداوندی ہے اور بندگی، غلامی اور جھک جانا انسان کا زیور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی معراج کا ذکر فرمایا تو آپکے لئے لفظ "عبد" کا انتخاب فرمایا حالانکہ بیشمار دیگر القابات سے آپ کو یاد کیا جا سکتا تھا لیکن "**سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ**" میں "عبدہ" کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ

عروج و معراج کی بنیاد "بندگی" ہے اگر کوئی شخص عظمت و رفعت کے آسمان کو چھونا چاہتا ہے تو اسے بندگی کی زمین پر سجدہ ریز ہونا پڑیگا۔

بندگی ' غلامی کا دوسرا نام ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح غلام کا سودا ہو جانے کے بعد وہ مکمل طور پر اپنے آقا کی مرضی اور حکم کا پابند ہو جاتا ہے اس کا آنا جانا' سونا جاگنا ' نشست و برخاست اور حرکت و سکون سب حکم آقا کے مطابق ہوتے ہیں اسی طرح بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کی تمنا و خواہش ' عبادت و ریاضت حتیٰ کہ موت و حیات منشائے خداوندی اور تعلیمات نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو یہی ایمان کی علامت ہے اور اسی کو اسلام کہتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

" تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا
جب تک اس کی خواہشات میرے لائے ہوئے دین کے تابع
نہ ہو جائیں۔ (3)

نماز کی پابندی ' زکوۃ کی ادائیگی ' روزے اور حج کی بجاآوری ' کلمہ حق کی سربلندی کے لئے جان و مال کی قربانی ' مخلوق خدا سے محبت' اور حقوق العباد کی ادائیگی کیلئے جذبہ ایثار اور اس طرح کے دیگر اعمال صالحہ اظہار بندگی کا بہترین ذریعہ ہیں۔ بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ احکم الحاکمین اور اس کے رسول معظم ﷺ کے ہر حکم کو بلا چون و چراں تسلیم کرنے کے بعد اپنی زندگی کو اسوہ رسول ﷺ کے رنگ میں رنگ دیا جائے۔

تاریخ اسلام میں اطاعت و بندگی کی تابناک مثالیں موجود ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسی جذبہ صالحہ کو قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (4)

جب بھی انکے رب نے ان سے فرمایا میرے حکم کے سامنے گردن جھکا دے تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے رب العلمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

اظہار بندگی کی اس سے بڑی مثال کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم خداوندی پر اپنے وطن کو خیر آباد کہا' اپنے معصوم بچے اور زوجہ مطہرہ کو بیابان اور بے آباد جگہ میں چھوڑ دیا' نمرودی آگ میں بے خطر کود پڑے' اور یہی وہ بندگی تھی کہ جس کی تکمیل کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن مبارک پر تیز چھری چلا دی۔

یہ بندگی کبھی طور سیناء پر نظر آتی ہے تو موسیٰ علیہ السلام "کلیم اللہ" قرار پاتے ہیں۔ اگر یہودیوں کی کال کوٹھڑی میں پھانسی کے پھندے کو چومنے کی صورت میں نظر آتی ہے تو عیسیٰ علیہ السلام رفعت کی منزلیں طے کرتے ہوئے چوتھے آسمان پر پہنچ جاتے ہیں۔ جب بندگی کا اظہار "غار حرا" میں سجدہ ریزی کی صورت میں ہوتا ہے تو امام الانبیاء "محبوب خدا" کی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور جب یہ بندگی میدان کربلا میں حق و انصاف کے تحفظ اور ظلم و ستم' عیاشی اور فحاشی کے خلاف صدائے احتجاج کی صورت میں ہویدا ہوتی ہے تو امام حسین رضی اللہ عنہ "عالی مقام" بنتے ہیں اور شہدائے کربلا تاریخ اسلام ہی نہیں تاریخ انسانیت پر انمٹ نقوش چھوڑتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ میں مومن نے اپنی جان و مال کا سودا

کر کے اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حکم خداوندی کے تابع کر دیا ہے لهذا ہماری عبادت ، معاشرت ، معیشت اور موت و حیات حکیم خداوندی کے عین مطابق ہونی چاہیے اور اس میں اپنی خواہش کا ذرہ بھی دخل نہیں ہونا چاہیے یہی اسلام ہے اسی کا نام "بندگی" ہے اور یہی "ہماری تخلیق کا مقصد" ہے۔

مراجع

1- قرآن مجید 51، 56

2- " " "

3- کنزالعمال جلد اول ص 217 حدیث 1084

4- قرآن مجید 2، 131

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نماز کی پابندی

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ	بے شک تمہارا دوست ' اللہ تعالیٰ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ	اور اس کا رسول اور ایمان والے
الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ	ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکوۃ ادا
رَاكِعُوْنَ (1)	کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ
	رکوع کر رہے ہوتے ہیں

قرآن پاک میں اہل ایمان کی بے شمار صفات ذکر کی گئی ہیں اور یہ صفات وہ اعمال صالحہ ہیں جو مومن کی تصدیق قلبی پر شاہد عدل ہیں ' نماز میں خشوع ' لغو باتوں سے اعراض' زکوۃ کی ادائیگی' عفت و عصمت کے زیور سے آراستگی امانتوں اور وعدہ کی پاسداری ' نمازوں کی حفاظت ' یہ وہ صفات ہیں جو ایک مرد مومن کا طرہ امتیاز ہیں۔ اٹھارہویں پارے کے آغاز میں اہل ایمان کی ان صفات کو بیان کرتے ہوئے ایسے باکمال لوگوں کو فلاح کی بشارت بھی دی گئی اور جنت الفردوس کا وارث بھی قرار دیا گیا۔

تلاوت کی گئی آیت کریمہ میں مومن کی علامت کے طور پر دو باتوں کا ذکر کیا گیا (i) اقامت صلوۃ یعنی نماز قائم کرنا (ii) ایتائے زکوۃ یعنی زکوۃ ادا کرنا۔

نماز ' اسلام کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہو گا ' سرکار دو عالم ﷺ

نے فرمایا۔

اَوَّلُ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ الصَّلٰوةُ (2) — قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے جس عمل کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی وہ نماز ہے۔

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دینا اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر تنبیہہ کے طور پر ہلکی پھلکی سزا دینے کا حکم دیا گیا حالانکہ ابھی وہ سن بلوغت کو نہیں پہنچا اور احکام شریعت کا **مُکَلَّف** نہیں ہوا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَیْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِیْنَ (3) — اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال، کے ہو جائیں اور جب دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر انہیں سزا دو

قرآن پاک میں بے شمار جگہ نماز کی ادائیگی کا حکم دیا گیا اور مختلف پیرائے میں اس ادائیگی کی ترغیب دی گئی ہے لیکن ہر جگہ اقامت صلوۃ کا لفظ استعمال ہوا کہیں فرمایا "اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ" کہیں ارشاد ہوا "**یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ**" کسی جگہ مسلمان خواتین کو الگ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ" کہیں بھی ادائیگی، پڑھنے اور اس طرح کے دیگر الفاظ استعمال نہیں کیے گئے اس کی بنیادی وجہ کو سمجھنے کیلئے ہمیں لفظ اقامت کا لغوی معنی معلوم کرنا ہو گا تو لغت میں اقامت کا معنی کسی چیز کو کھڑا کرنا، کسی چیز کو قائم و دائم رکھنا اور پورا کرنا ہے گویا نماز کے لئے لفظ

اقامت کا استعمال اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ اس کی حدود، شرائط، ارکان، ظاہری صفات یعنی سنن و آداب اور باطنی صفات یعنی خشوع اور قلبی توجہ کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں

"**اِقَامَةُ الشَّیْءِ تَوْفِیَةُ حَقِّهٖ**" (4) کسی چیز کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حق ادا کر دیا جائے نماز کا حق دو طرح ادا ہوتا ہے ایک یہ کہ حالت نماز میں ظاہری و باطنی حقوق ادا کئے جائیں اور نمازی اس حدیث پاک کا مصداق بن جائے جس میں رسول معظم ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اگر یہ کیفیت نہ ہو تو یہ احساس ہونا چاہیے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ (5)

دوسرا یہ ہے کہ نماز پابندی کے ساتھ ادا کی جائے قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا (6)	بے شک نماز، مومنوں پر اپنے اپنے وقت پر فرض ہے۔

گویا نماز کے لئے لفظ اقامت کے استعمال سے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا کہ پانچ فرض نمازوں کو اپنے اپنے وقت پر ادا کیا جائے اور ان کو دوسرے وقت پر نہ چھوڑا جائے رسول کرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَهُنَّ صَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَاَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ	اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جس نے ان کے لئے اچھی طرح وضو کیا اور انہیں وقت پر ادا

وَ خُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اَنْ يَّغْفِرَ لَهٗ وَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اِنْ شَآءَ غَفَرَ لَهٗ وَاِنْ شَآءَ عَذَّبَهٗ (7)	کیا ان کا رکوع و خشوع پورا کیا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ وہ اسے بخش دے گا اور جو ایسا نہ کرے اللہ تعالیٰ کا اس سے وعدہ نہیں چاہے تو اسے بخش دے اور اگر چاہیے تو عذاب دے۔

نماز کی پابندی جہاں باعث مغفرت ہے وہاں اس کے بے شمار روحانی، جسمانی اور معاشرتی فوائد بھی ہیں۔ نماز پڑھنے والے افراد جہاں پاک لباس اور پاک جسم کے ذریعے "اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ" کا مصداق قرار پاتے ہوئے اپنے ایمان میں اضافہ کرتے ہیں وہاں وہ پاکیزگی و طہارت کے ذریعے ہشاش بشاش اور تروتازہ بھی رہتے ہیں اور جدید طبی تحقیق کے مطابق وضو بہت سی جسمانی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

اقامتِ صلوۃ کیلئے جب بندہ اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہوتا ہے تو اس سے تکبر و رعونت جیسے اخلاق ذمیمہ دور ہو جاتے ہیں اور تواضع، انکساری اور اپنے آپ کو مٹا دینے جیسے اخلاق عالیہ کا سہرا اس کے سر پر سجتا ہے کیونکہ حالت قیام میں وہ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعتراف کرتے ہوئے ہاتھ باندھ کر اپنی نگاہیں قدموں پر جما لیتا ہے تو تکبر و غرور کے تمام بتوں کو پاش پاش کرتے ہوئے اسی ایک ذات کی عظمت کو سلام کرتا ہے۔

نمازی جب ثناء پڑھتے ہوئے "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ" کے الفاظ کہتا ہے تو تقدیس خداوندی کے اعتراف و اظہار کے ساتھ ساتھ اپنے عیبوں کا جائزہ لینے کا

درس ملتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر انسان اپنے عیب تلاش کرنا شروع کر دے تو دوسروں کی عیب جوئی سے بچنے کے ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کے لئے بھی کوشاں ہو جاتا ہے۔

نماز میں قیام انسان کو میدان محشر کی یاد بھی دلاتا ہے جب اس نے اپنے خالق و مالک کے حضور پیش ہو کر زندگی کے ایک ایک لمحے، ایک ایک گھڑی اور ایک ایک پل کا حساب دینا ہو گا اور یہی خوف انسان کو جنت کا مستحق بنا دیتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى (8)

اور جسے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف ہوا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

گویا نماز بارگاہ خداوندی میں حاضری کی یاد دلا کر نفسانی خواہشات کی تکمیل سے روکتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ نفسانی خواہشات ہی تمام معاشرتی بگاڑ کا سبب ہیں اگر انسان اپنی خواہشات کو دین کے تابع کر دے تو ہر قسم کے جھگڑوں، اختلافات اور انتشار کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

اسلام نے نماز باجماعت کی تاکید کی ہے اور اس طرح پڑھی جانے والی نماز کا ثواب بھی زیادہ بتایا ہے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّ عِشْرِيْنَ دَرَجَةً (9)

باجماعت نماز اکیلے آدمی کی نماز سے ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

تنہا نماز پڑھنے کی بجائے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے کو جہاں زیادہ ثواب ملتا ہے وہاں باجماعت نماز کا ایک معاشرتی پہلو بھی ہے' اسلام نے باجماعت نماز کے ذریعے مسلمانوں کو روزانہ دن رات میں پانچ مرتبہ جمع ہونے کا ایک شاندار طریقہ بتایا ہے۔ چنانچہ اس اجتماعی عبادت میں جہاں وہ اپنی التجاؤں کو بارگاہ خداوندی میں بیک آواز پیش کر کے قبولیت کو یقینی بناتے ہیں وہاں وہ ایک دوسرے کے حالات سے آگاہ بھی ہوتے ہیں' اور یوں ان کے درمیان باہمی محبت و مودت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں اور بغض و عداوت' نفرت اور اختلاف کے بادل چھٹ جاتے ہیں کیونکہ یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ باہمی میل جول سے اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے جبکہ ایک دوسرے سے دوری شکوک و شبہات کو جنم دیتی ہے۔

غرضیکہ نماز جہاں انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتی ہے وہاں حقوق العباد کی ادائیگی کا راستہ بھی دکھاتی ہے' نماز جہاں جسمانی طہارت کا ایک اہم ذریعہ ہے وہاں اس سے انسانی قلب بھی طیب و طاہر ہو جاتا ہے' نماز جہاں دینوی فوائد کی حامل ہے وہاں یہ بے شمار اخروی فوائد کی بھی ضمانت دیتی ہے نماز دین کا ستون اور مومن کی معراج ہی نہیں سید الانبیاء ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بھی ہے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ذات والا صفات ہمیں نماز کی پابندی اور اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہونے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

مراجع

1- قرآن مجید 6'55

2- مجمع الزوائد جلد اول ص 291' 292

3- مشکوۃ شریف ص 58 کتاب الصلوۃ

4- المفردات فی غریب القرآن (راغب) ص 429

5- مشکوۃ شریف ص 11 کتاب الایمان

6- قرآن مجید 4'103

7- مشکوۃ شریف ص 58 کتاب الصلوۃ

8- قرآن مجید 79'40

9- مشکوۃ شریف ص 95 باب الجماعۃ و فضلھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یتیموں پر مہربانی کرنا

دین اسلام امن و سلامتی اور رحمت و شفقت کا آئینہ دار ہے۔ اسی لئے قرآن عظیم اور احادیث رسول ﷺ میں مخلوق خدا سے حسن سلوک اور رافت و مہربانی سے پیش آنے کی بے حد تاکید کی گئی ہے۔ بالخصوص وہ افراد جو بے کس و بے سہارا ہوں اور انسانی سرپرستی کے سائے سے محروم ہوں انہیں محبت و یگانگت کی چھتری کا سایہ مہیا کرنا ہر مسلمان کی اولین ذمہ داری ہے۔

ان مجبور و محروم لوگوں میں وہ بچے بھی شامل ہیں۔ جو سن بلوغت کو پہنچنے سے پہلے شفقت پدری سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسے بچے یتیم کہلاتے ہیں۔ اور انہیں شفقت و محبت، تعلیم و تربیت اور امن و سلامتی کی وہ تمام سہولتیں اور آسائشیں پہنچانا ضروری ہیں جو ہر اس بچے کو حاصل ہیں جس کے سر پر شفقت پدری کا سایہ موجود ہوتا ہے۔

قرآن پاک نے جہاں یتیم بچے کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلے میں انفرادی امور کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے وہاں ایک جامع حکم بھی دیا ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 22 میں ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ (1)

اے محبوب ﷺ یہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ فرما دیجئے ان کی بھلائی

چاہنا بہتر ہے۔

لفظ اصلاح اپنی جامعیت کے اعتبار سے یتیم کے حقوق کو واضح کر رہا ہے۔ اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال کی حفاظت ' اس کی تعلیم و تربیت ' اسے معاشرے کی ناھمواریوں سے محفوظ رکھنا اور ملک و ملت کاایک اہم فرد بنانا جیسے اموراصلاح کے زمرے میں آتے ہیں۔

قرآن پاک نے صرف اسی ہدایت پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ یتیم بچے کا مال کھانے اور ضائع کر دینے سے بھی نہایت سختی سے روکا_ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا (2)

وہ لوگ جو ظلماً یتیموں کا مال کھاتے ہیں بے شک وہ اپنے پیٹوں میں آگ ڈال رہے ہیں اور عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

چھوٹے بچے سے جہاں شفقت اور لاڈ پیار کا سلوک کیا جاتا ہے وہاں اس کے بہتر اور سنہری مستقبل کے لئے اس کی تربیت بھی کی جاتی ہے چونکہ یتیم بچے کے سر سے اس کے باپ کا سایہ اٹھ گیا لہٰذا اب اس کے رشتہ داروں اور معاشرے کے دوسرے افراد کا فرض ہے کہ وہ اس سلسلے میں اس بچے کے ساتھ وہی سلوک کریں جو اپنے بچوں کے لئے ضروری سمجھتے ہیں اس ضمن میں قرآن پاک نے واضح الفاظ میں ہدایت دی ہے۔ سورۃ نساء کی آیت نمبر 6 میں ارشاد فرمایا

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (3) جب تک یتیم بچے نکاح کی عمر کو نہ پہنچ جائیں ان کی آزمائش کرتے رہو۔

گویا بتایا گیا کہ جب تک وہ بچہ بالغ نہیں ہو جاتا یہ سوچتے ہوئے کہ معاشرے کے دوسرے افراد کیا کہیں گے۔ اس بچے کو کھلی چھٹی دے دینا صحیح نہیں بلکہ اس سے چھوٹا موٹا کام لیا جائے ' بازار سے سودا سلف خریدنے کے لئے بھیجا جائے۔ اور اس طرح کے دیگر معاشرتی امور میں وقتاً فوقتاً مصروف رکھا جائے تاکہ جب وہ جوانی کی عمر کو پہنچے تو معاشرے کی اونچ نیچ کو سمجھتا ہو' لوگوں سے میل جول کے طریقوں سے واقف ہو اور اگر اپنا کاروبار کرنا چاہے تو اسے اس کی تربیت بھی مل چکی ہو۔

اور جب وہ جوانی کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ خود اپنے بہتر مستقبل کی راہ تلاش کر سکے۔ ارشاد خداوندی ہے

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (4) اگر تم ان سے سمجھداری محسوس کرو۔ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔

یتیم بچے کی کفالت اور اس سے مہربانی اور شفقت کا سلوک کرنا امت مسلمہ کی ذمہ داری ہی نہیں' ہادی دو جہاں ﷺ کی رفاقت اور دخول جنت کی ضمانت بھی ہے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھتے ہوئے اشارہ کیا اور فرمایا میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح

(ایک دوسرے کے قریب) ہوں گے چاہے وہ یتیم بچہ اس کا اپنا رشتہ دار (مثلاً بھتیجا وغیرہ) ہو یا کوئی دوسرا بچہ ہو۔ (5)

یتیم بچے کی پرورش اور اس سے حسن سلوک اس قدر اہم ہے کہ وہ گھر جس میں یتیم بچے کی اچھی طرح دیکھ بھال ہو رہی ہو اسے سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ نے مسلمانوں کا بہترین گھر قرار دیا اور جس گھر میں یتیم بچے سے اچھا برتاؤ نہ ہو اسے رحمتہ للعالمین ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے مسلمانوں کا بدترین گھر قرار دیا گیا ہے۔ (6)

چھوٹے بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنا انسانی فطرت بھی ہے اور اخلاق حسنہ کا تقاضا بھی۔ لیکن وہ شخص جو کسی یتیم بچے کی حوصلہ افزائی کے لئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرے اسے ہر اس بال کے بدلے میں جس پر اس نے ہاتھ پھیرا ہے نیکیاں ملتی ہیں (7)

اپنی اولاد کے سر پر بطور شفقت ہاتھ پھیرنے میں شفقت پدری کا عنصر بھی کارفرما ہوتا ہے اور اگر کسی ایسے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا جائے جس کا باپ نہ صرف زندہ ہو بلکہ وہاں موجود بھی ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ اس شخص کی رعایت مقصود ہے یا دکھاوے کے طور پر ایسا کیا جا رہا ہے۔

لیکن یتیم بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنا یقیناً خلوص پر مبنی ہوتا ہے اور اس عمل میں عموماً کسی کو دکھانے یا کوئی دنیوی لالچ یا ذاتی چاہت کا دخل نہیں ہوتا غرضیکہ چونکہ یتیم بچہ شفقت پدری سے محروم ہوتا ہے گو وہ کتنا مالدار ہی کیوں نہ ہو اس لئے اسے ہر قسم کی خوشی پہنچانا ہمارا فرض ہے اور اس کی تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا ہماری ملی، قومی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس اہم ذمہ

داری سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

مراجع

1-	قرآن مجید	2'220
2-	" "	4'10
3-	" "	4'6
4-	" "	" "
5-	مشکوۃ شریف	ص 422 باب الشفقتہ والرحمتہ علی الخلق
6-	" "	ص 423 " " " " " "
7-	" "	" " " "

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکافات عمل

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (1)	جو نیکی کرے تو وہ اس کے نفس کے لئے نفع بخش ہے اور جو برائی کرے تو اس کا نقصان اسی کو ہو گا اور آپ کا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا

سورہ حم السجدہ کی یہ آیت اسلام کے قانون جزا و سزا پر مشتمل ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد اس منعم حقیقی کی معرفت و اطاعت ہے جس کی ان گنت نعمتوں سے ہم سب دن رات نفع اٹھاتے ہیں، اگر کوئی خوش بخت جذبہ تشکر و امتنان کی دولت سے مالا مال ہو اور عطیات خداوندی کے حصول پر اس کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ بارگاہ ایزدی سے انعام کا مستحق قرار پاتا ہے جب کہ حصول نعمت پر شکر ادا کرنے کی بجائے اس عظیم محسن کی نافرمانی اور بغاوت کا ارتکاب موجب عذاب و سزا ہے اسی کو مکافات عمل یا اسلامی قانون جزا و سزا کہا جاتا ہے اسلام کا یہ قانون اتنا اہم، ابدی اور لازوال ہے کہ اسے اسلامی اعتقادات میں شامل کیا گیا ہے جب کوئی مسلمان اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہوئے "وبالیوم الاخر" کہتا ہے تو وہ یوں کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں "یوم الدین" میں ہر انسان کے اعمال کے حساب اور اس کے نتیجے میں اس کے لئے جزا یا سزا کے تعین کو صدق دل سے تسلیم کرتا ہوں۔

یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ دنیا آخرت کے لئے ایک کھیتی کی مثال ہے

جس طرح کسان اپنی زمین میں بیج بونے اور پھراسکی آبیاری اور دیکھ بھال کے بعد فصل کاٹتا ہے اور یقیناً اسے اپنی کھیتی سے وہی چیز حاصل ہوتی ہے جس کا بیج اس نے بویا تھا اسی طرح اس دنیا کی کھیتی میں عمل کا بیج بویا جاتا ہے جب یہ فصل تیار ہو کر یوم آخرت یا یوم الدین میں اس کا نتیجہ سامنے آئے گا تو بلاشبہ ہر شخص کو وہی فصل کاٹنا ہو گی جس کا بیج اس نے بویا تھا۔ اگر نیکی اور اعمال صالحہ کا بیج بویا تھا تو اس کا پھل ثواب کی صورت میں حاصل ہو گا جب کہ دوسری صورت میں اسے سزا کے کانٹے چننا ہوں گے۔

جزا و سزا کے اس قانون کو قرآنی تناظر میں دیکھا جائے تو چند امور واضح ہوتے ہیں پہلی بات یہ کہ جب تک اعمال صالحہ اور برے اعمال کی پہچان اور نیکی و برائی کی ترغیب و ترہیب کا عمل مکمل نہیں ہوتا اس وقت تک سزا نہیں دی جاتی اگرچہ ثواب کی عطا کا انداز اس سے مختلف ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (2) اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک رسولوں کو نہ بھیج دیں۔

دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ (3) ہم رسولوں کو بھیجتے ہیں جو خوشخبری دینے والے اور تنبیہہ فرمانے والے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہم رسولوں کو بھیجتے ہیں جو نیک اعمال پر جنت اور انعامات خداوندی کی خوشخبری دیتے ہیں اور برے اعمال کے بھیانک نتائج سے آگاہ کرتے ہیں۔

نیز جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسل عظام کی وساطت سے مکمل آگاہی نہیں پائی جاتی ہے، اس وقت تک سزا نہیں دی جاتی ۔ گویا انسان کو اندھیرے میں نہیں رکھا جاتا بلکہ اسے نیک و بد اعمال کی مکمل پہچان اور اس کے نتائج سے مکمل طور پر آگاہ کر دیا جاتا ہے تاکہ کسی قسم کا عذر باقی نہ رہے اور ناانصافی کے تمام الزامات کی راہ مسدود کر دی جائے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس آگاہی اور علم کے باوجود اگر کوئی شخص نفس یا شیطان کے بہکاوے میں آکر گناہ کا مرتکب اور صراط مستقیم سے برگشتہ ہو جاتا ہے لیکن جونہی احساس ندامت کے دامن سے وابستہ ہو کر اپنے رب کے حضور طلب مغفرت کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو عفو و درگزر کی رحمانی چادر میں پناہ حاصل کر لیتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (4)

اور اے محبوب کریم ! جب تک آپ ان میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دیتا اور جب تک وہ طلب مغفرت کرتے ہیں، اللہ انہیں عذاب نہیں دیتا۔

گویا گناہ سرزد ہونے کی صورت میں اگر اقرار و اعتراف کے ساتھ رجوع الی اللہ ہو جائے اور مغفرت کے لئے دست دعا دراز ہو جائے تو آدمی سزا سے بچ جاتا ہے۔

یہ صورت جس کا ابھی ذکر ہوا حیات انسانی سے متعلق ہے انسان جب تک زندہ ہے گناہ سے توبہ کرے یا کفر سے توبہ کر کے ایمان قبول کرے اللہ تعالیٰ اس

کے سابقہ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے البتہ اگر گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو جب تک وہ حقوق ادا نہ کیے جائیں یا صاحب حق سے معافی نہ مانگ لی جائے محض توبہ کار آمد نہ ہو گی۔

اور جب سلسلہ حیات منقطع ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی عمل کا وقت بھی ختم ہو جاتا ہے۔اور توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اب عالم آخرت میں اسے اعمال کا جواب دینا ہو گا اور وہاں صورت حال یہ ہو گی کہ تمام وسائل منقطع ہو چکے ہوں گے ندامت کے آنسو بہانے کا وقت ختم ہو چکا ہو گا اور دوسروں کا حق ادا کرنے یا ان سے معافی کی درخواست کا موقع بھی ہاتھ سے نکل چکا ہو گا اس لئے اب اعمال کے حوالے سے تین صورتیں ہوں گی۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں ان تینوں صورتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

"اعمال کے تین دفتر ہیں ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ بخش دے گا دوسرا وہ جسے بخشا نہیں جائے گا اور تیسرے دفتر سے کچھ بھی نہیں چھوڑے گا" (5)

جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا وہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے ارشاد خداوندی ہے

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ (6)

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

دوسرا نامہ اعمال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ بخش دے گا اور یہ بندے کا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے، جبکہ تیسرا عمل جس میں سے کچھ نہیں چھوڑے گا وہ بندوں کا ایک

دوسرے پر ظلم کرنا ہے۔

گویا کفرو شرک کی بخشش نہیں ہوگی جب تک زندگی میں توبہ نہ کرے اور مسلمان کا گناہ اگر حقوق اللہ سے متعلق ہے تو اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے بخش دے اور اس کی رحمت سے یہی امید ہونی چاہیے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ (7)	بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دے۔

اور اگر گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو اس کے لئے نہایت خطرہ ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو مفلس قرار دیا اور اس کی وضاحت یوں فرمائی کہ یہ شخص قیامت کے دن نماز اور روزے کے ساتھ آئے گا لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر تہمت لگائی ہوگی کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا پس اس کی نیکیاں ان مظلومین میں تقسیم کردی جائینگی اور جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان لوگوں کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈالے جائیں اور پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔ (8)

درحقیقت اسلامی قانون جزا و سزا کا بنیادی مقصد تزکیہ نفس کے ذریعے ایک صاف ستھرے معاشرے کی تشکیل ہے اور یہ بھی حقیقت ثابتہ ہے کہ دنیا کی کوئی بھی قوم جرائم پیشہ افراد کو سزا دینے اور اعلیٰ کردار والوں کی حوصلہ افزائی کے بغیر ایک اچھے معاشرے کے خواب کو شرمندہ تعبیر نہیں دیکھ سکتی۔

چونکہ اسلام ایک معاشرتی دین ہے اس لئے ایک مسلم معاشرے کا قیام بھی اسی قانون پر عمل در آمد کا رہین منت ہے۔ یہی بات قرین انصاف بھی ہے اور ظلم سے پاک و صاف بھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیں مکافات عمل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اعمال صالحہ کی بجاآوری اور برے اعمال سے اجتناب کی راہ اختیار کرنی چاہیے اور اس کے ساتھ توبہ و استغفار کا دامن ہاتھ سے کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے _ آمین بجاہ نبیہ الکریم علیہ الصلوۃ و التسلیم

1- قرآن مجید 46 ' 41

2- " " 15 '17

3- " 165 ' 4

4- " 33 ' 8

5- " 72 ' 5

6- مشکوٰۃ شریف ص 435 باب الظلم

7- قرآن مجید 48 ' 4

8- مشکوٰۃ شریف ص 435 باب الظلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خود کو اور اہل و عیال کو جہنم سے بچانا

یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّ قُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ (1)	اے ایمان والو ! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔

ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے اور نور اسلام سے منور ہونے کے بعد انسان اپنے جان و مال کو خالق کائنات کے حوالے کر دیتا ہے اور اب نفس انسانی پراسی کی حکومت ہوتی ہے ۔اور انسان کا مال بھی وہیں خرچ ہوتا ہے جہاں مالک حقیقی کا حکم ہوتا ہے گویا مومن فرمان الٰہی کا پابند بھی ہے اور اس سے نفع اندوز بھی

اور اس حقیقت ثابتہ سے کسے مجال انکار ہو سکتی ہے کہ وہ ذات والا صفات رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی' لہٰذا اس کا ہر فرمان رحمت کا خزینہ اور ساحل مراد تک پہنچنے کے لئے سفینہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر دو قسم کے حقوق لازم کئے ہیں (i) حقوق اللہ (ii) حقوق العباد انسان ' حقوق خداوندی کی ادائیگی کے ذریعے اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرتا ہے تو حقوق العباد کی ادائیگی اس کے ایمان پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت عمدہ پیرائے میں ان دونوں قسموں

کے حقوق کو بجالانے کی ترغیب دی ہے اور بتایا کہ اگر اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرو گے تو جہنم تمہارا مقدر ہو گی لہٰذا جہنم کی آگ سے بچنا چاہتے ہو تو خود بھی وہ کام کرو جو اس خطرناک مقام کے لئے سدراہ ہو اور اپنے متعلقین کو بھی اسی کام کی ترغیب دو جس کے باعث وہ آتش دوزخ سے دور رہ سکیں یہاں ہم نے دو باتوں کو دیکھنا ہے پہلی بات یہ کہ اہل سے کون لوگ مراد ہیں اور دوسری یہ کہ جہنم سے اپنے آپ کو اور ان لوگوں کو بچانے کا طریقہ کیا ہے؟

لیکن اس سے پہلے قرآن پاک کے اس حکم کی حیثیت کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے لفظ "قُوْا" ذکر فرمایا جو امر کا صیغہ ہے اور عربی قواعد کے مطابق مطلق امر وجوب کے لئے آتا ہے گویا اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو جہنم سے بچانا ہر مومن پر لازم ہے

چنانچہ سرکار دوعالم ﷺ کی ایک حدیث بھی اس مفہوم کی تائید کرتی ہے آپ نے ارشاد فرمایا

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ (2)

تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

گویا ماتحت کے عمل، کردار اور اس کی حرکات و سکنات کے بارے میں سرپرست سے باز پرس ہو گی اور وہ جواب دہ ہو گا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ماتحت کی اصلاح اس پر واجب ہے۔

لفظ اہل سے اگرچہ یہاں بیوی بچے اور خدام مراد لئے گئے ہیں جیسے حضرت

مقاتل نے فرمایا کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو ' اپنی اولاد ' اپنی بیوی اور اپنے خدام کو عذاب جہنم سے بچانے کی کوشش کرے۔ اور علامہ قرطبی نے الکیا کا قول نقل کیا ہے جو یوں ہے۔

وَ عَلَيْنَا تَعْلِيْمُ اَوْلَادِنَا وَاَهْلِيْنَا	اور ہم پر اپنی اولاد اور گھر والوں کو
الدِّيْنَ وَالْخَيْرَ وَمَا لَا يُسْتَغْنٰى	دین اور بھلائی کی تعلیم دینا نیز وہ
عَنْهُ مِنَ الْاَدَبِ (3)	امور ادب سکھانا لازم ہے جن کے
	بغیر کوئی چارہ کار نہیں

لیکن اہل کا مفہوم اس سے بھی زیادہ وسیع ہے استاذ کا شاگرد ' مرشد کا مرید ' مالک کا خادم ' افسر کا ماتحت ' غرضیکہ ہر وہ شخص جو کسی نہ کسی نسبت سے کسی بڑے کے ساتھ متعلق ہے وہ اہل میں شامل کیا جا سکتا ہے اگرچہ تربیت اور اس کی ذمہ داری کے لحاظ سے تفاوت اپنی جگہ مسلم ہے جتنی زیادہ ذمہ داری ماں باپ اور استاذ کی ہے اتنی دوسرے لوگوں کی نہیں۔ گویا گھر کے سرپرست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بیوی ' اولاد یا جو لوگ بھی اس گھر میں اس کی نگرانی میں رہتے ہیں انہیں جہنم کی آگ سے دور رکھنے کی کوشش کرے افسر کی ذمہ داری ہے کہ وہ خلاف شریعت امور کے ارتکاب سے احتراز کرتے ہوئے خود بھی بری عاقبت سے محفوظ رہے اور اپنے ماتحت عملہ کے لئے مشعل راہ بن کر ان کو بھی راہ حق پر چلنے والا کارواں بنا دے وہ نماز پڑھے گا تو عملہ بھی نمازی ہو گا وہ روزہ رکھے گا تو ماتحت عملہ کو بھی اس کا احساس ہو گا۔

جہنم سے اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو بچانے کے دو طریقے ہیں۔

ایک ایجابی اور دوسرا سلبی یعنی ایک طریقہ اعمال کی بجا آوری کا اور دوسرا

برے اعمال سے بچنے کا، اور ان دونوں طریقوں کو اپنانا ضروری ہے۔

تفسیر مظہری میں نہایت مختصر اور عمدہ پیرائے میں اس کی وضاحت کی گئی

حضرت قاضی ثناء اللہ مظہری فرماتے ہیں۔

قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ بِاَدَاءِ الْوَاجِبَاتِ وَتَرْکِ الْمَعَاصِیْ (4)

اپنے آپ کو جہنم سے اس طرح بچاؤ کہ واجبات کو ادا کرو اور گناہوں کو چھوڑ دو۔

وَاَہْلِیْکُمْ بِالتَّعْلِیْمِ وَالتَّاْدِیْبِ وَالْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیِ عَنِ الْمُنْکَرِ (5)

اور اپنے گھر والوں کو جہنم سے اس طرح بچاؤ کہ انہیں ادب سکھاؤ نیز نیکی کرنے کا حکم دینا اور برائی سے روکنا سکھاؤ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسُولَ اللہ! صلی اللہ علیک وسلم

نَقِیْ اَنْفُسَنَا فَکَیْفَ لَنَا بِاَہْلِیْنَا (6)

ہم اپنے آپ کو تو دوزخ سے بچا سکتے ہیں اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے کیسے بچائیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تَنْھَوْنَھُمْ عَمَّا نَھَاکُمُ اللّٰہُ وَتَاْمُرُوْنَھُمْ بِمَآ اَمَرَاللّٰہُ (7)

انہیں اس عمل سے روکو جس سے تمہیں اللہ تعالٰی نے روکا اور انہیں وہ کام کرنے کا حکم دو جس کا اللہ تعالٰی نے تمہیں حکم دیا

سرکار دوعالم ﷺ نے قرآن پاک کی اس آیت پر خود بھی عمل کیا اور امت کو بھی اس کی تعلیم دی ہے ۔ چنانچہ جب آپ رات کو عبادت کے لئے اٹھتے تو گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں رسول اکرم ﷺ کے ذوق عبادت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِيْزَرَهٗ وَاَحْيٰى لَيْلَهٗ وَاَيْقَظَ اَہْلَهٗ (8)

رسول اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ عبادت کے لئے کمربستہ ہو جاتے راتوں کو (عبادت کے ساتھ) زندہ رکھتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے۔

اس کے ساتھ ساتھ سرکاردوعالم ﷺ نے دوسرے مسلمانوں کو بھی اس بات کی ترغیب دی بالخصوص اولاد جو ناسمجھ ہونے کی وجہ سے اس راہنمائی کی زیادہ حاجتمند اور مستحق ہے اس کی تربیت پر بہت زور دیا ہے۔ آپ نے فرمایا

حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدَانْ يُّحْسِنَ اسْمَهٗ وَ يُعَلِّمَهُ الْكِتَابَةَ وَيُزَوِّجَهٗ اِذَا بَلَغَ (9)

بچے کا باپ پر حق ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے اسے لکھنا پڑھنا سکھائے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کردے۔

اگر اس حدیث کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ تمام امور اس بچے کو نیکی کی راہ دکھانے اور برائیوں سے دور رکھنے کا باعث ہیں اور اس سلسلے میں والد اپنا فرض

منصبی پورا کر کے اسے جہنم سے دور رکھتا ہے۔

قرآن پاک کے اسلوب بیان پر غور کیجئے جس ترتیب سے یہ حکم بیان ہوا اس میں کس قدر حکمتیں پنہاں ہیں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کیا کہ اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ اور اس کے بعد اہل کا ذکر فرمایا۔

اس ترتیب میں حکمت یہ ہے کہ جب تک انسان اپنے کردار کو صحیح نہیں بناتا خود اعمال صالحہ کا خوگر نہیں بنتا اور اعمال بد سے راہ فرار اختیار نہیں کرتا اس کے پند و نصائح اس کے بیوی بچوں پر کیسے مفید اثرات مرتب کر سکتے ہیں۔

لہٰذا ہم سب پر اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ رزق حلال اور صدق مقال کو اپنا وطیرہ بنائیں گھر کے ماحول کو پاکیزہ بنانے کی کوشش کریں، فحاشی، بے حیائی اور اخلاق باختہ حرکات کو جنم دینے والے تمام آلات سے گھر کو پاک کریں بچوں کو دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ ضروری دینی تعلیم سے بھی روشناس کریں اور اسلامی اقدار کو باعث فخر سمجھتے ہوئے ان کو زیادہ سے زیادہ رواج دینے کی کوشش کریں۔

مراجع

-1	قرآن مجید	6'66
-2	صحیح بخاری	جلد اول ص 122 کتاب الجمعتہ
-3	الجامع لاحکام القرآن للقرطبی	ج 18 ص 196
-4	تفسیر مظہری (عربی)	جلد 9 ص 344
-5	" "	" " "
-6	تفسیر ضیاء القرآن	جلد 5 ص 300
-7	"	" " "
-8	مشکوۃ شریف	ص 182 باب لیلتہ القدر
-9	کنز العمال	جلد 16 ص 417

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہل حق کا ساتھ دو

يَاَ يُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ   اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (1)   اور اہل حق کا ساتھ دو۔

حق و باطل کی آویزش ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اگر حق، بصورت آدم آیا تو باطل بشکل ابلیس مقابل ہوا اگر حق ابراہیم بن کے آیا تو باطل نمرودی قوت بن کر کھڑا ہوا اگر حق موسیٰ کی صورت میں نمودار ہوا تو باطل فرعون کی شکل میں ظاہر ہوا اور اگر حق چراغ مصطفوی کی صورت میں چمکا تو باطل نے شرار بولھبی کا روپ دھارا۔ بقول شاعر مشرق

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار **بولھبی**

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ باطل جب بھی حق سے ٹکرایا خود پاش پاش ہو گیا اور حق کا پرچم ہمیشہ بلند رہا کیونکہ حق کی پشت پر ہمیشہ تائید ایزدی کا ہاتھ رہا ہے۔

قرآن پاک آج بھی ببانگ دہل اعلان کر رہا ہے کہ حق آیا اور باطل نیست و نابود ہو گیا کیونکہ باطل کا وجود نفرتوں کا بیج بوتا اور حسن معاشرت کو گہنا دیتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ   حق آگیا اور باطل چلا گیا بے شک

الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (2)   باطل مٹنے کے لئے ہے

ایک دوسرے مقام پر منشائے خداوندی کو یوں بیان کیا گیا۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (3) تاکہ وہ حق کو ثابت رکھے اور باطل کو ختم کر دے اگرچہ مجرموں کو ناپسند ہے

قرآن مجید کی ان دو آیات سے واضح ہوتا ہے کہ حق کی سربلندی اور باطل کی شکست ہماری محتاج نہیں بلکہ خود خالق کائنات حق کو غالب کرتا اور باطل کو مٹاتا ہے اسے غلبہ حق کے لئے کسی جماعت کی مدد' کسی قوم کی اعانت اور کسی طاقتور کی طاقت کی حاجت نہیں ہے۔

لیکن اس کے باوجود اہل ایمان کو حق کا ساتھ دینے اور باطل کی مدد سے ہاتھ کھینچنے کا حکم دیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (4) نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

دراصل جو لوگ حق کا ساتھ دیتے اور اس کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اس کی سربلندی اور رفعت کے لئے مصائب و آلام کی چکی میں پستے ہیں اور راہ حق میں پہنچنے والی مشکلات کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں وہی نفوس قدسیہ بارگاہ خداوندی کے مقرب ہوتے ہیں' سعادت و نیک بختی انہی کے قدم چومتی ہے وہی دائمی زندگی سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور تاریخ کے صفحات میں ان ہی کے نام چمکتے دکھتے ہیں۔

ابوجہل نے راہ حق میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی' شجر دین حق کو

بزعم خویش بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی مذموم سعی کی اور آوازہ حق کو دبانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا اور عربی قریشی بلکہ مکہ مکرمہ کا سربرآوردہ راھنما ہونے کے باوجود تاریخ کے صفحات میں اپنے لئے مقام نہ بنا سکا وہ ذکر خیر سے محروم ہوا اور جہنم اس کا مقدر بن گیا لیکن اس کے مقابلے میں حبشہ کا ایک غلام جس کا رنگ کالا' زبان میں لکنت اور اہل مکہ جیسی فصاحت و بلاغت سے بے بہرہ اور خاندانی پس منظر کے حوالے سے غیر معروف بلال جب حق کا ساتھ دیتا ہے اور اس عظیم مقصد کے لئے طرح طرح کے مصائب و آلام کو اپنے سینے سے لگاتا ہے' تپتی ہوئی ریت پر لٹائے جانے اور سینے پر بھاری پتھر رکھے جانے کے باوجود صدائے حق بلند کرتا ہے تو وہ نہ صرف اہل مکہ کے نزدیک معزز بن جاتا ہے آج بھی بلکہ قیامت تک تاریخ کے اوراق میں اس کا نام سنہری حروف سے لکھا جاتا رہے گا۔

اگر اہل حق کا ساتھ نہ دیا جائے اور ان کو باطل کی درندگی کا تر لقمہ بننے کے لئے چھوڑ دیا جائے تو اس کے نتیجے میں ایک بہت بڑا فساد بپا ہو گا جس کے تھپیڑے نہ معلوم کس کس کو بہا کر لے جائیں گے۔

سرزمین مکہ میں وہ مظلوم مسلمان جو بوجوہ ہجرت نہ کر سکے اور کفار کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنتے رہے اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو ان کی مدد کی ترغیب دینے کے بعد فرماتا ہے اگر تم نے ان کی مدد نہ کی تو فتنہ اور فساد کبیر بپا ہو گا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ (5)

اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد پیدا ہو گا۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ جو لوگ اہل حق کی مدد کرتے اور انہیں ٹھکانہ دیتے ہیں حقیقت میں وہی سچے مومن ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (6)	اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور وہ جنہوں نے ان کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی وہی سچے مومن ہیں

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اس بات کو بھی واضح فرمایا کہ دین حق کی سر بلندی کے لئے وہ خود اہل حق کی مدد فرماتا ہے اس لئے یہ نہ سمجھنا کہ ہماری کوتاہیوں ' دین سے دوری اور حق کی مدد سے منہ موڑنے کے باعث حق بے یارومدد گار رہ جائے گا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (7)	اگر تم اس نبی کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کی مدد کی جب اسے کافروں کی وجہ سے مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنا پڑی وہ دو میں سے دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے اور وہ اپنے ساتھی (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرما رہے تھے غمگین نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کے نتیجے میں کلمہ حق کی سر بلندی اور باطل کی پستی کا یوں ذکر فرمایا۔

وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا (8)

اور اس نے اپنے نبی ﷺ کی مدد ایسے لشکر کے ذریعے کی جس کو تم نے نہیں دیکھا اور اس نے کلمہ کفر کو سرنگوں کر دیا اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ سربلند ہے۔

اسلام قبول کرنے اور اپنے گلے میں اطاعت کا پٹہ ڈالنے کے بعد ہر کلمہ گو مسلمان کی ذمہ داری بن جاتی ہے کہ وہ حق کی سربلندی کے لئے اپنا تن من قربان کر دے اور اگر وہ اپنی اس ذمہ داری کو قبول نہیں کرتا تو وہ نبی آخرالزمان ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے راستے سے برگشتہ ہے یہی نہیں بلکہ اسے اس سرزمین پر رہنے کا حق بھی نہیں پہنچتا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (9)

اگر تم (حق کی حمایت میں) نہیں نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے

آج ملت اسلامیہ زبوں حالی کا شکار ہے باطل کی یلغار مختلف طریقوں سے جاری ہے نوجوان نسل کو راہ حق سے سرگشتہ کرنے کے لئے عیش و طرب کی راہ اختیار کی جاری ہے اور یوں اسلامی ثقافت پر حملہ کیاجاتا ہے، مسلمانوں کو آزادی سے محروم کرنے کے لئے باطل متحد و متفق ہے، معاشی اعتبار سے قوم مسلم کو

کمزور کرنے اور انہیں اپنا دست نگر بنا کر غلبہ حق کی تحریک کو دبانے کی مذموم سعی جاری ہے ان حالات میں امت مسلمہ کے ہر فرد کی ملی ' دینی اور قومی ذمہ داری ہے کہ حق کا ساتھ دے اسلامی تہذیب و ثقافت کے احیاء کے لئے کام کرنے والی تنظیموں اور اداروں کا بھرپور تعاون کرے مشاہیر اسلام کی عظمتوں کے چراغ بجھنے نہ دے کفر کی طرف سے آنے والی پھونک کا راستہ بند کر دے اور صحابہ کرام اور اولیاء امت کی روشن زندگیوں کو مشعل راہ بنائے

مراجع

-1 قرآن مجید 119'9

-2 " " " 81'17

-3 " " " 8'8

-4 " " " 2'5

-5 " " " 73'8

-6 " " " 74'8

-7 " " " 40'9

-8 " " " 40'9

-9 " " " 39'9

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اتباع قرآن و سنت

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (1)

(اے لوگو!) اس کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا اور اسے چھوڑ کر دوسرے دوستوں کی پیروی نہ کرو تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

انسانی زندگی کی گاڑی جس ہدایت نامہ کی راہنمائی میں منازل سفر طے کرنے کے بعد صحیح سلامت منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے، اسے قرآن پاک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہی وہ نسخہ کیمیا ہے جسے اپنا کر قلبی، روحانی، جسمانی، انفرادی اور اجتماعی بیماریوں سے شفایابی ہوتی ہے اور یہی وہ دستور حیات ہے جسے خضر راہ بنانے کے بعد راہ حق سے بھٹکنے، قعر ذلت میں گرنے اور گم گشتگان راہ کا لقمہ تر بننے کا خوف باقی نہیں رہتا۔

سورۃ اعراف کی تیسری آیت جو آغاز گفتگو میں تلاوت کی گئی اسی کتابت ہدایت کی اتباع کا درس دے رہی ہے۔ اس سورت کی دوسری آیت میں پروردگار عالم نے اپنے محبوب کریم خاتم النبین، سید المرسلین ﷺ کو تبلیغ قرآن کا حکم دیتے ہوئے اسے مسلمانوں کے لئے نصیحت قرار دیا ارشاد خداوندی ہے۔

كِتَابٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ (2)	یہ کتاب ہے (جو) آپ ﷺ کی طرف نازل کی گئی پس اس کی تبلیغ سے آپ کے سینے میں کوئی تنگی نہ ہو (یہ اس لئے نازل کی گئی کہ) آپ ﷺ اس کے ذریعے ڈرائیں اور یہ مومنوں کے لئے نصیحت ہے

چونکہ رسالت کی تکمیل تین باتوں سے ہوتی ہے ایک مرسل یعنی بھیجنے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے' دوسرا مرسل یعنی بھیجا ہوا اور وہ رسول اکرم ﷺ ہیں اور تیسرا مرسل الیہ یعنی جس کی طرف بھیجا گیا اور وہ امت ہے تو مرسل یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے مرسل کو ان کا فرض منصبی یاد دلایا اور پھر مرسل الیہ یعنی امت کو ان کا فرض منصبی بتایا رسول اکرم ﷺ کا فرض منصبی قرآن پاک کی تبلیغ اور حدیث و سنت کے ذریعے اس کی تشریح بیان کرنا ہے اور امت کی ذمہ داری اس تبلیغ و دعوت کو قبول کر کے اس کی اتباع کرنا ہے۔

سورۃ اعراف کی ان دو آیتوں کا اسلوب بیان ملاحظہ کیجئے کس شاندار اسلوب کو اختیار کیا گیا جب نبی ﷺ سے خطاب کر کے تبلیغ کا حکم دیا تو وہاں صرف آپ کو خطاب کرتے ہوئے واحد حاضر کی ضمیر لائی گئی اور **اِلَيْكَ** فرمایا اور جب امت کو اتباع کا حکم دیا تو باوجودیکہ قرآن رسول اکرم ﷺ کی طرف نازل ہوا امت کی طرف نہیں لیکن جمع کی ضمیر لاتے ہوئے فرمایا **مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ** جو

کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ نزول کے اعتبار سے قرآن پاک نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوا لیکن چونکہ اس کی اتباع تم پر لازم ہے اس لئے یوں سمجھو کہ یہ تم پر ہی اتارا گیا ہے اور اس پر عمل کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قرآن پاک کا لفظ ذکر نہیں کیا اور یوں نہیں فرمایا **اِتَّبِعُوا الْقُرْآنَ** بلکہ **اِتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ** فرمایا اس انداز بیان کو اپنانے کی حکمت یہ ہے کہ جو کچھ رسول اکرم ﷺ پر اتارا گیا اس میں قرآن پاک کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی سنت بھی شامل کی گئی ہے معروف مفسر علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔

وَیَعُمُّ الْقُرْآنَ وَالسُّنَّۃَ لِقَوْلِہٖ سُبْحَانَہٗ تَعَالٰی وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (3)

(اتباع کا حکم) قرآن و سنت دونوں کو شامل ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے ہمارے نبی ﷺ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتے بلکہ وہی بات کرتے ہیں جو آپ ﷺ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں "**یَعْنِی الْکِتَابَ وَ السُّنَّۃَ**" اس سے کتاب و سنت دونوں مراد ہیں۔ (4)

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

وَمَآ اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (5)

اور جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دیں اس کو لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (6)	اے محبوب ! آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں محبوب بنا لے گا

گویا قرآن پاک کی طرح سنت رسول ﷺ کی اتباع اور پیروی بھی منشائے خداوندی ہے اور جس طرح اتباع قرآن سے روگردانی گناہ عظیم ہے اسی طرح سنت رسول اور احادیث نبوی سے منہ پھیرنا بھی بہت بڑا جرم ہے۔

اتباع کا معنیٰ کسی کے پیچھے چلنا اس جیسا عمل کرنا اور اس کے طور طریقوں کو اپنانا ہے اگرچہ اتباع تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے ہوتی ہے یا اس شخص سے کوئی لالچ ہوتا ہے ' یا اس کے خوف کی وجہ سے اس کی پیروی کی جاتی ہے یا اس کی محبت سے سرشار ہو کر اور اپنے خالق و مالک کا حکم مانتے ہوئے اتباع کی جاتی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح معنیٰ میں اور فی الواقع اتباع اسی بات کا نام ہے کہ کسی غرض و لالچ اور خوف و ڈر کے بغیر یہ راہ اختیار کی جائے جب یہ بات پیش نظر ہوگی تو عبادات و طاعات کے فلسفے تلاش کرنے کی بجائے مسلمان قرآن و سنت اور رسول معظم ﷺ کی اتباع صرف اس لئے کرے گا کہ یہ اس کے رب کا حکم ہے چاہے اس عمل کا فلسفہ اور حکمت اسے سمجھ آئے یا نہ آئے ' کیونکہ حکم دینے والا رحیم و کریم بھی ہے اور علیم و حکیم بھی ' اور وہ کسی ایسی بات کا حکم نہیں دیتا جس میں انسان کا نقصان ہو ' بلکہ شریعت کے ہر حکم میں

انسانیت کی بھلائی ہی بھلائی ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن و حدیث دونوں منزل من اللہ ہیں قرآن وحی جلی اور وحی متلو ہے جب کہ حدیث وحی خفی اور غیر متلو ہے لہٰذا جہاں قرآن و حدیث کے واضح احکام موجود ہوں وہاں دوسرا راستہ اختیار کرنا منع ہے اسی بات کو آیت کے دوسرے حصے میں بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوستوں کے پیچھے نہ چلو۔

علامہ فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں دوستوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو شیطانی راہ اختیار کرتے ہیں اور بتوں کی پوجا اور خواہشات کی تکمیل کی راہ دکھاتے ہیں۔ (7)

لہٰذا ہر مسلمان کو ایسے لوگوں سے دور اور ان کی اتباع سے باز رہنا چاہیے لیکن وہ لوگ جو قرآن و سنت کی راہ دکھاتے ہیں بالخصوص صوفیا کرام اور اولیاء عظام جو رشد و ہدایت کے منصب پر فائز اور اصلاح قوم کی بھاری ذمہ داری اٹھائے ہوتے ہیں ان سے اکتساب فیض در اصل قرآن و سنت کی اتباع ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ اسلام ایک عالمگیر اور تمام زمانوں پر محیط دین ہے اور یہ دین بدلتے ہوئے حالات میں اپنے ماننے والوں کو حیران و پریشان نہیں چھوڑتا بلکہ ان کو مسائل جدیدہ کا حل بتاتا ہے اس لئے وہ اہل علم جو قرآن و سنت کے علوم سے کما حقہ واقف اور اجتہادی صلاحیتوں کے مالک ہیں ان کا اجتہاد اور فقہی کاوشیں بھی در حقیقت قرآن و سنت کی اتباع ہی ہیں ارشاد خداوندی ہے

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (8) — پس اہل علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے

گویا ہماری نجات قرآن و سنت کی پیروی اور اس کی روشنی میں کیے گئے

اجتہاد اور فقہ کو اپنانے اور قرآن و سنت کے خلاف امور کو ترک کرنے میں مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اور اپنے محبوب کریم ﷺ کی تعلیمات و احکام پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

مراجع

1- قرآن مجید 3'7

2- " " " 2'7

3- بیضاوی شریف جلد 1 ص 152

4- الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 4 ص 161

5- قرآن مجید 7'59

6- " " 31'3

7- تفسیر کبیر جلد 14 ص 18

8- قرآن مجید 7'21

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بدگمانی سے اجتناب

دنیا میں انسان بے شمار نعمتوں سے سرفراز اور ان گنت فوائد سے متمتع ہوتا ہے لیکن سب سے گرانمایہ دولت جس کے سامنے تمام دولتیں پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتیں، امن و سکون کا حصول ہے۔

امن و سکون ظاہری اور خارجی ہو یا اس کا تعلق دل سے ہو اس کی عمارت حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی بجاآوری پر قائم ہوتی ہے اس لئے ایک پرامن معاشرے کے قیام اور قلوب و اذہان کے اطمینان کے لئے حقوق العباد کی اہمیت سے صرف نظر ممکن نہیں ہے۔

حقوق العباد کی ادائیگی جس طرح عزت، جان اور مال کے تحفظ، غربت و افلاس کے خاتمے کے لئے مساعی، ظلم و ستم کے قلع قمع بزرگوں کے ادب اور چھوٹوں پر شفقت، حلال و حرام کی تمیز، حرص و آز کے ازالے اور جود و سخا کے فروغ کے ذریعے ہوتی ہے اسی طرح دوسرے مسلمان کے بارے میں اپنے دل کو کینے، بغض، حسد، منافقت اور سوئے ظن سے پاک رکھنا بھی حقوق العباد کے زمرے میں آتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

يَا يُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيرًا اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں

مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ　　سے بچو بے شک بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ (1)

ظن عربی زبان کا لفظ ہے جسے اردو میں گمان سے تعبیر کیا جاتا ہے اگر کسی بات کا یقین نہ ہو اور اس کے بارے میں خیال ہی خیال ہو لیکن یہ خیال شک کی صورت میں نہ ہو جس کی دونوں جانبیں برابر ہوتی ہیں بلکہ دل کا جھکاؤ ایک طرف کو ہو تو اسے ظن کہا جاتا ہے حضرت امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وَالظَّنُّ عِبَارَةٌ عَمَّا رَكَنَ اِلَيْهِ النَّفْسُ وَيَمِيْلُ اِلَيْهِ الْقَلْبُ (2)　　ظن اس کیفیت کا نام ہے جس کی طرف نفس کا جھکاؤ اور دل کا میلان ہو۔

ظن اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی، اگر اچھا گمان ہو تو اسے حسن ظن کہتے ہیں اور اسکے خلاف ہو تو اسے سوئے ظن یا بدگمانی کہا جاتا ہے حسن ظن قابل تعریف ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً" ہم نے ایک شخص کو بازار میں ننگے پاؤں چلتے دیکھا تو ذہن میں خیال آیا کہ شاید یہ شخص لاپرواہی، سہل پسندی یا جہالت کی وجہ سے ایسا کر رہا ہو اور ممکن ہے کہ اس کے پاؤں میں تکلیف ہو جس کی وجہ سے وہ جوتا پہن نہیں سکتا یا غربت کی وجہ سے وہ جوتا خرید نہیں سکا اس صورت میں ہمارے دل کا جھکاؤ اس طرف ہونا چاہیے کہ اس نے کسی مجبوری کے تحت جوتا نہیں پہنا البتہ صحیح صورت حال واضح ہو جائے تو الگ بات ہے۔

یہ حسن ظن ہے اسلام میں اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا بلکہ اسی طرز عمل کا ہم سے مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔ دوسری صورت بدگمانی کی ہے مثلاً" ایک شخص کسی تقریب میں شریک نہیں ہوتا تو ممکن ہے اسے دعوت نہ ملی ہو، ہو سکتا

ہے وہ بیمار ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اشد مجبوری کے تحت نہ آیا ہو۔
لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس تقریب میں آنے سے ڈرتا ہو یا تکبر و غرور آڑے
ہو دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا پسند نہ کرتا ہو۔ چونکہ دلوں کے بھید تو اللہ تعالیٰ
ہی جانتا ہے یا اس کے بتانے سے اس کے مقرب بندوں کو ان کا علم ہوتا ہے اس
لئے ہم حتمی طور پر فیصلہ نہیں کرسکتے کہ وہ کیوں نہیں آیا۔

لیکن جب ہم دل میں یہ بات بٹھالیں کہ وہ تکبر و غرور اور عنادِ کی وجہ سے
نہیں آیا تو یہ بدگمانی ہے جس سے بچنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ بدگمانی سے بچنا اس
لئے ضروری ہے کہ یہ گناہ متعدی ہے اور اس سے بے شمار خرابیاں جنم لیتی ہیں
جو معاشرے کے امن و سکون کو غارت کر کے رکھ دیتی ہیں۔

بدگمانی صرف ایک شخص تک محدود نہیں ہوتی بلکہ اس کے خارجی اثرات
مرتب ہوتے ہیں جب ایک شخص کسی سے بدگمان ہو جاتا ہے تو اس سے نفرت
کرنے لگتا ہے، اس کی عزت و احترام کے معاملے میں بخل سے کام لیتا ہے باہم
ملاقات ہو تو چہرے کی بشاشت اور گفتگو کا جوہر اخلاق مفقود ہوتا ہے وہ لسے بات
بات پر شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے اب دوسری جانب سے رد عمل شروع ہوتا ہے
اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بغض و حسد کی یہ بیماری جو بدگمانی سے پیدا ہوتی تھی ان دو
شخصیتوں کے اقارب، احباب، متعلقین، مریدین اور تلامذہ سب کو اپنی لپیٹ میں
لے لیتی ہے اور یوں اس بظاہر معمولی چنگاری سے پورے کا پورا معاشرہ بھسم ہو کر
رہ جاتا ہے۔

اگر بنظر غور دیکھا جائے تو غیبت، چغلی، حسد، کینہ اور اس قسم کے دیگر
اخلاق ذمیمہ جن میں سے ہر ایک بے شمار خرابیوں کا موجب ہے، اسی بدگمانی کی

یداوار ہیں۔ انہی خطرناک نتائج کی وجہ سے بدگمانی کو حرام قراردیا گیا ہے
سرکاردوعالم ﷺ نے فرمایا

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الْمُسْلِمِ دَمَهٗ — اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا خون، مال
وَمَالَهٗ وَاَنْ يُّظَنَّ بِهٖ ظَنَّ السُّوْءِ — اور اس کے بارے میں بدگمانی کو
(3) حرام قرار دیا ہے۔

سرکاردوعالم ﷺ کے اس فصیح و بلیغ کلام کا اسلوب ملاحظہ کیجئے، بدگمانی
کو مسلمان کا خون بہانے، اور اس کا مال لوٹنے کے جرم کے ساتھ ذکر کر کے اس
کی برائی اور اس کی شدت کو واضح فرمایا کہ جس طرح مسلمان کے خون اور مال کو
شرعاً" اور قانوناً" تحفظ حاصل ہے اور اس کی خلاف ورزی جرم ہے اسی طرح اس
کے بارے میں اچھا گمان بھی شرعاً" مطلوب ہے اور اس کی خلاف ورزی جرم قرار
پاتی ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے بدگمانی سے اجتناب کے سلسلے میں قرآن
پاک کی ایک آیت سے نہایت عمدہ استدلال فرمایا ہے۔

"آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فاسق کی خبر پر اعتبار کرنے
اور اس کی تصدیق سے منع کرتے ہوئے اس خبر کی تحقیق کا
حکم دیا تاکہ ان جانے میں کسی کو تکلیف نہ پہنچائی جائے"

ارشادِ خداوندی ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ كُمْ — اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق
فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا — تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی

قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ (4)

کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ لاعلمی میں تم کسی قوم کو نقصان پہنچاؤ اور پھر اپنے کیے پر نادم ہو۔

آیت کریمہ کے مطابق فاسق جو شریعت مطہرہ سے روگردانی کرتا ہے، کی خبر قابل اعتماد نہیں اور اس خبر کی تحقیق ضروری ہے ورنہ ممکن ہے کہ کسی بے گناہ کے خلاف کاروائی ہو جائے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دل میں بدگمانی کا پیدا ہونا شیطان کی کارستانی ہے اور چونکہ شیطان تمام فاسقوں سے بڑھ کر فاسق ہے لہٰذا جس طرح فاسق کی خبر کو جھٹلانا ضروری ہے اسی طرح بدگمانی کو دل میں جگہ نہ دینا اور اسے رد کردینا اس سے بھی زیادہ لازمی ہے۔

بدگمانی دل میں جگہ پکڑ جائے تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے لہٰذا شروع سے ہی اس کا خاتمہ کرنا ضروری ہے نہ تو اسے دل میں جگہ دی جائے اور نہ ہی عمل کے ذریعے اس کا اظہار کیا جائے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

ثَلَاثٌ فِیْ مُؤْمِنٍ وَّلَهٗ مِنْهُنَّ مَخْرَجٌ فَمَخْرَجُهٗ مِنْ سُوْٓءِ الظَّنِّ اَنْ لَّا یُحَقِّقَهٗ (5)

مومن میں تین باتیں ایسی ہیں جن سے نکلنے کا راستہ موجود ہے تو بدگمانی سے نجات حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ اسے دل میں جمنے نہ دے

گویا قرآن و سنت کی روشنی اور عقل کے تقاضے کے مطابق مومن کے

لئے ضروری ہے کہ جب تک کسی بات کی تحقیق نہ ہو جائے اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں بدگمانی سے بچے اور حسن ظن سے کام لے کیونکہ شیطان بدگمانی کے راستے سے امت مسلمہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ان کی معاشرتی زندگی کو اجیرن بنانا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اختلافات، حسد، بغض، کینے اور بدگمانی جیسی موذی امراض سے محفوظ فرمائے۔ آمین ثم آمین

مراجع

1- قرآن مجید 12' 49

2- احیاء العلوم جلد 3 ص 1618

3- سنن ابن ماجہ ص 290 ابواب الفتن

4- قرآن مجید 12' 49

5- المعجم الکبیر للطبرانی جلد 3 ص 228 حدیث 3237

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بے حیائی سے اجتناب

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (1)	بے شک جو لوگ مومنوں کے درمیان بے حیائی کے پھیلنے کو پسند کرتے ہیں تو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ (حقیقت کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

ایک پرسکون، پرامن اور صاف ستھرے معاشرے کی بنیاد دو باتیں ہوتی ہیں

(i) نیکی کا فروغ (ii) برائی کا قلع قمع

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں کو اس امت کا طرہ امتیاز اور ایک اہم ذمہ داری قرار دیا ہے بلکہ اسی بنیاد پر امت مسلمہ کو امت خیر قرار دیا گیا ارشاد خداوندی ہے۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (2)	تم بہترین امت ہو جسے لوگوں (کی اصلاح) کے لئے پیدا کیا گیا تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔

امت مسلمہ کی اس ذمہ داری کو قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ سرکار دو عالم ﷺ کے اوصاف جمیلہ اور آپ کی بعثت کے مقاصد

یلہ میں بھی اس امر کو شامل کیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ	وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس
الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا	رسول کی جو نبی امی ہے جسکے ذکر کو
عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ	وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں
یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ	لکھا ہوا پاتے ہیں وہ نبی انہیں نیکی
الْمُنْكَرِ (3)	کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے

معلوم ہوا کہ سرکار دوعالم ﷺ اور آپ کے پیروکار نیکی کو فروغ دے اور برائی سے روکتے ہوئے معاشرتی بگاڑ کے لئے سد راہ بنتے ہیں جبکہ منافقین طرز عمل اس کے بالکل برعکس ہے وہ برائیوں کو پھیلاتے اور نیکیوں کو مٹانے کوشش کرتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ	منافق مرد اور منافق عورتیں سب
مِّنْ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ	ایک جیسے ہیں وہ برائی کا حکم دیتے
وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ (4)	اور نیکی سے روکتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ منافق مرد ہوں یا عورتیں سب سل مزاج کے حامل ہیں وہ ہر برے نظریے کی ترویج و اشاعت میں چست و اک اور ہوشیار ہوتے ہیں اور اگر کہیں نیکی ' اخلاق حسنہ اور امت کی بھلائی کی ن پھوٹتی نظر آتی ہے تو تلملا اٹھتے ہیں اور اس نیکی کو پھیلنے سے روکنے کے ے ہر طرح کی کوشش کرتے ہیں۔ برائی سے نہ روکنا اور اس کے پھیلاؤ کے گے بند باندھنے کی کوشش نہ کرنا رحمت خداوندی سے محرومی کا باعث بنتا ہے۔ انچہ قرآن پاک میں بنی اسرائیل کے اس عمل اور ان کے رحمت خداوندی سے

محروم ہونے کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے۔

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْ یَعْتَدُوْنَ کَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ (5)	لعنت کیے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں سے داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان پر یہ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے اور زیادہ گناہ کیا کرتے تھے' وہ ایک دوسرے کو اس برائی سے منع نہیں کرتے تھے جس کا وہ ارتکاب کرتے تھے وہ کیا ہی برا کام کرتے تھے

سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں میں بے دینی کی ابتدا یوں ہوئی کہ جب کوئی آدمی کسی بدکار سے ملتا تو پہلے اسے اللہ سے ڈراتا اور اس کو گناہ سے باز آنے کی ترغیب دیتا پھر دوسرے روز اسی کے ساتھ بلا تامل کھاتا پیتا اٹھتا بیٹھتا جب انہوں نے ایسا کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو آپس میں ٹکرا دیا پھر آپ نے یہی آیت پڑھی جو ابھی پیش کی گئی ۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا

"بخدا یا تو تم نیکی کا حکم دو گے ' برائی سے منع کرو گے اور ظالم کے ہاتھ پکڑ لو گے اسے حق و انصاف کی طرف زبردستی لوٹا دو گے اور اسے عدل کا جبرا" پابند کرو گے ورنہ تمہارے دلوں کو بھی اللہ تعالیٰ آپس میں ٹکرا دے گا اور تم پر بھی پھٹکار ڈالے گا جیسے پہلے ان لوگوں پر ڈالی گئی" (6)

پیارے آقا ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اگر برائی کو پھیلنے سے نہ روکا جائے اور اس کے قلع قمع کے لئے مقدور بھر کوشش نہ کی جائے تو باہمی انتشار، جھگڑوں اور فسادات کی صورت میں عذاب خداوندی کے نزول کا خدشہ رہتا ہے۔ برائی کا ارتکاب کرنے والوں کو روکنے کی بجائے ان کا ہم نوالہ و ہم پیالہ بننا بھی معاشرتی حسن کو داغدار کرنے اور اسے گھن کی طرح کھانے کا باعث بنتا ہے اسی لئے جو لوگ بیہودگی میں پڑنے والوں کا کسی بھی طور پر ساتھ دیتے ہیں وہ بھی عذاب خداوندی کو دعوت دیتے اور اس کے مستحق ٹھہرتے ہیں قرآن مجید میں اہل جنت اور جہنمیوں کا ایک مکالمہ ذکر کیا گیا ہے جس کے مطابق جنتی، جہنم والوں سے پوچھیں گے کہ تمہیں جہنم میں کس چیز نے داخل کیا تو وہ اپنے جواب میں چار باتوں کا ذکر کریں گے۔ اسے قرآن پاک یوں بیان کرتا ہے۔

قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ وَکُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَائِضِیْنَ وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ حَتّٰی اَتٰنَا الْیَقِیْنُ (7)

وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے اور ہم ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ (مل کر) ہرزہ سرائی میں لگے رہتے اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت نے آلیا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سرکار دو عالم ﷺ نے

مَنْ رَأٰی مِنْکُمْ مُّنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَ ذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ (8)	تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے اور اس کی طاقت نہ ہو تو زبان کیساتھ روکے اور اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

اس حدیث میں سرکاردوعالم ﷺ نے ارباب اقتدار، مبلغین اور اہل قلم حضرات کو خاص طور پر اور عامۃ المسلمین کو عمومی طور پر اس بات کا پابند بنایا کہ وہ برائی کو دیکھیں تو انہیں جس قسم کی قوت حاصل ہے اسے بروئے کار لاتے ہوئے اس برائی کو پھیلنے سے روکیں اور معاشرے کی مدد کریں اور اگر وہ یہ سب کچھ نہ کر سکیں تو کمزور ترین درجہ یہ ہے کہ کم از کم اس سے نفرت تو کریں اور اگر یہ لوگ اپنی ذمہ داری کو پورا نہیں کریں گے تو ہلاکت صرف ان ہی کا مقدر نہ ہو گی بلکہ پوری قوم تباہی و ہلاکت کی اتھاہ گہرائیوں میں جاگرے گی۔

اس سلسلے میں رسول رحمت ﷺ نے کشتی کی مثال دی ہے

"کہ قرعہ اندازی کے ذریعے بعض لوگ کشتی کی نچلی منزل میں اور کچھ اوپر والی منزل پر سوار ہو جاتے ہیں نچلی منزل والے اوپر والوں کے پاس سے پانی لے کر گزرتے ہیں تو انہیں اس سے اذیت ہوتی ہے چنانچہ ایک شخص کلہاڑا لے کر کشتی کے نچلے حصے میں سوراخ کر دیتا ہے اوپر والے اسے روکتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو وہ جواب

دیتا ہے کہ میری وجہ سے تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو میں پانی
حاصل کرنے کے لئے ایسا کر رہا ہوں اب اگر وہ اسے روک
دیتے ہیں تو کشتی کے تمام مسافر ڈوبنے سے بچ جائیں گے اور
اگر وہ اسے اسی حالت پر چھوڑ دیں تو وہ اسے بھی ہلاک
کردیں گے اور خود بھی ہلاک ہوں گے"۔ (9)

ایک دوسری روایت میں سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا

"جب کسی قوم میں گناہ ہو رہا ہو اور وہاں کچھ لوگ اسے
بدلنے پر قادر ہوں لیکن وہ ایسا نہ کریں تو مرنے سے پہلے وہ
سب عذاب میں مبتلا ہوں گے" (10)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ برائی کا روکنا ہم سب کی ذمہ داری ہے کیونکہ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو تباہی و بربادی سب کا مقدر بن جائے گی اور یہ معاشرہ دنیا میں ہی جہنم کا نقشہ پیدا کر دے گا۔

برائی کو پھیلانے کی بے شمار صورتیں ہیں

مثلاً" ہر لگائے گئے الزام کی بلا تحقیق تشہیر کرنا' اسلام نے برائیوں اور فواحش کے خلاف نفرت کی جو دیوار قائم کر دی ہے ' اس میں رخنہ اندازی کی کوشش کرنا ' ایسی تصانیف جو شہوانی جذبات کے لئے قوت محرکہ کا کام دیں ' ایسے گانے اور فلمیں جن کی وجہ سے نوجوان نسل کا جذبہ شرم و حیا کمزور پڑتا ہو بے حیائی کو فروغ دینے والے اشتہارات اور پوسٹر چھاپنا وغیرہ لہذا ارباب اقتدار سے لے کر ایک عام شہری تک اس بات کا شرعاً" اور اخلاقاً" بلکہ قانوناً" پابند ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ خود برائی سے اجتناب کرے بلکہ اس کے قلع قمع کے لئے بھرپور

کوشش کرے تاکہ ہماری نوجوان نسل پھر ایک مرتبہ خالد بن ولید، طارق بن زیاد اور سلطان صلاح الدین ایوبی بن کر میدان عمل میں آئیں اور دشمنان اسلام کے ہاتھوں کشمیر بوسنیا، اور دیگر ممالک میں سسکتی ہوئی انسانیت کو امن و سکون کی دولت سے بہرہ ور کرنے میں ممد و معاون ہوں۔

مراجع

-1 قرآن مجید 19'24

-2 " " 110'3

-3 " " 157'7

-4 " " 67'9

-5 " " 79'78

-6 تفسیر ضیاء القرآن جلد اول ص 502

-7 قرآن مجید 47'43

-8 مشکوۃ شریف 436 باب الامر بالمعروف

-9 " " " "

-10 " " " "

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خسارے سے بچاؤ

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (1)

قسم ہے زمانے کی ! بے شک انسان نقصان (خسارے) میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے نیز وہ ایک دوسرے کو حق کی تلقین (کرتے رہے) اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔

انسانی زندگی دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے ایک کو دینوی زندگی کہا جاتا ہے جب کہ دوسری زندگی اخروی زندگی کہلاتی ہے دینوی زندگی ایک سفر کی مثل ہے جب کہ اخروی زندگی حقیقی منزل ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کو فانی اور آخرت کو باقی کہا جاتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (2)

جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

چونکہ انسان کی نظر دنیا کی ظاہری چمک دمک اور فوری نفع پر پڑتی ہے اور آخرت کا حقیقی پائیدار اور دائمی فائدہ اس کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے اس لئے

وہ اس مسافر کی طرح نقصان میں رہتا ہے جو اپنی تمام پونجی سفری آسائشوں اور بے مقصد امور پر خرچ کر کے منزل پر خالی ہاتھ پہنچتا ہے لیکن جو مسافر سمجھدار اور دانا ہوتا ہے وہ سفر میں حسب ضرورت خرچ کرتا ہے اور سفر کی وقتی صعوبتیں برداشت کر کے اپنی تمام پونجی کو گھریلو ضروریات اور حالت اقامت کے اخراجات کے لئے محفوظ رکھتا ہے سورۃ عصر میں اسی بات کو واضح کیا گیا ہے یہ سورۃ جو خیر الکلام ماقل و دل بہترین کلام وہ ہے جو مختصر مگر جامع ہو کی عملی تصویر ہے۔

جہاں فصاحت و بلاغت کا ایک حسین شاہکار ہے وہاں اس میں معانی و مفاہیم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک ایسا سمندر پنہاں ہے جس کا نظارہ چشم فلک نے کبھی کیا نہ کبھی کر سکے گی۔ کسی کلام کی اہمیت کو دو چند کرنے کے لئے اسے قسم کے ساتھ موکد کیا جاتا ہے اس قاعدے کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ سورۃ عصر کا مضمون نہایت اہم اور بہترین فوائد کا حامل ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ اس سورۃ کو قسم سے شروع کیا گیا بلکہ قسم کے لئے ایک ایسی چیز کا انتخاب کیا گیا جس کا مضمون سورت سے گہرا تعلق ہے۔

مفسرین کی تصریح کے مطابق یہاں عصر سے مطلق زمانہ زوال سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت، نماز عصر اور سرکار دو عالم ﷺ کا زمانہ مراد لیا گیا ہے۔ اگر غور و فکر کے میدان میں عقل و دماغ کی سواری کو دوڑایا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہو کر سامنے آتی ہے کہ زمانہ انقلابات کا مصدر ہے یہی وہ منبع ہے جس سے خیر کے دھارے پھوٹتے ہیں اور اسی کے آتش کدے سے شر کے انگارے بکھرتے ہیں اور یہی دو باتیں اس سورت کا مضمون ہے۔

زوال (دوپہر) کے وقت سے لیکر مغرب تک کا وقت دن کا نصف آخر ہوتا

ہے اگر اس وقت کی قسم کھائی گئی ہے تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح دن کا نصف اول چلا گیا اور دوسرا نصف ابھی باقی ہے دن کے پہلے حصے کی کوتاہی کا ازالہ ممکن ہے اگر یہ وقت خواب غفلت میں گزرا ہے تو ابھی بھی محنت مشقت اور عمل کی گنجائش ہے اسی طرح انسان کو اخروی اعتبار سے کامیابی کا راستہ بتاتے ہوئے آگاہ کیا گیا کہ اگر اس کی زندگی کا گذشتہ وقت گناہوں اور معاصی کی نذر ہو گیا ہے تو اب بھی وقت ہے جس میں وہ توبہ، استغفار اور اعمال صالحہ کے ذریعے نجات حاصل کر کے اخروی زندگی کو کامیاب بنا سکتا ہے اگر یہ نماز عصر کی قسم ہے تو مضمون سورت کی طرف یوں اشارہ کیا گیا کہ عصر کا وقت سیرو تفریح اور کاروبار کے عروج کا وقت ہوتا ہے بنابریں انسان اس اہم نماز کی ادائیگی سے غفلت برتتا ہے جسے صلوۃ وسطیٰ درمیانی نماز کہہ کر اس کی پابندی کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ (3)

تمام نمازوں بالخصوص درمیان والی نماز کی حفاظت کرو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے باادب کھڑے ہو جاؤ

اور حدیث شریف کے مطابق نماز عصر کا فوت ہو جانا اہل و مال کے نقصان کا باعث ہے رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ (4)

جس سے عصر کی نماز رہ گئی گویا اس کو اہل و عیال کے اعتبار سے نقصان ہوا۔

اور اگر یہ سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ مبارکہ کی قسم ہے تو اس میں اس

بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ زمانہ تمام زمانوں سے افضل ہے اور چونکہ آپ آخری نبی ہیں اور آپ کی رسالت و نبوت عالمگیر اور قیامت تک جاری ہے اس لئے قیامت تک کا تمام وقت آپ کا زمانہ کہلاتا ہے اس زمانے کی قسم میں مضمون سورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا گیا کہ جو شخص اس بابرکت اور عظمت سے بھرپور زمانے سے سعادتمندی کے حصول کے باوجود اپنے خالق و مالک کو بھول جاتا ہے اور جس ذات والا صفات کی نسبت سے اسے یہ اعزاز ملا اس کی تعلیمات سے روگردانی کرتا ہے وہ خسارے میں ہے جبکہ قرآن سنت کی ہدایات اوراسوہ رسول کی روشنی میں زندگی گزارنے والا شخص کامیابی سے ہم کنار ہوتا ہے سورہ عصر میں خسارے سے محفوظ رہنے کا راستہ بتایا گیا اور واضح الفاظ میں اس حقیقت کو بھی واشگاف کیا گیا کہ جو شخص اس راستے سے الگ تھلگ ہوتا ہے وہ خسارے میں ہے حصول کامیابی کے لئے چار باتوں کو اپنانے کی ترغیب دی گئی ہے ان چار باتوں میں سے سب سے پہلی اور اہم ترین بات دولت ایمان کا حصول ہے کیونکہ جب کوئی شخص ایمان کے نور سے اپنے سینے کو منور کرتا ہے تو وہ اللہ تعالٰی کے ساتھ ایک نفع بخش سودا کرتا ہے وہ فانی زندگی کو اخروی زندگی کے بدلے میں بیچ دیتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	بے شک اللہ تعالٰی نے مومنوں سے
اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ	ان کی جانیں اور مال جنت کے
(5)	بدلے خرید لئے

اور جب وہ اپنی جان و مال کا سودا کر دیتا ہے تو اس کا مال اسی مقام پر خرچ ہوتا ہے جہاں خریدنے والا چاہتا ہے اور وہ اپنے جسمانی اعضاء کے استعمال میں بھی

اسی ذات کی خوشنودی اور چاہت کو پیش نظر رکھتا ہے اسی بات کو اعمال صالحہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کی دنیوی اور اخروی کامیابی کی بنیاد اعمال صالحہ ہی ہیں سورہ عصر حقوق کی تمام صورتوں کو بھی شامل ہے کیونکہ حقوق کی دو قسمیں ہیں ایک حقوق اللہ ہیں جن کا ذکر الا الذین امنوا و عملوا الصلحت میں کیا گیا اور دوسری قسم حقوق العباد سے متعلق ہے جن کا ذکر وتواصوا بالحق و تواصوا بالصبر میں ہوا۔

گویا وہ شخص جو کامیابی کی منزل تک پہنچنا اور حقیقی نقصان سے بچنا چاہتا ہے وہ جہاں حقوق اللہ کی حفاظت کرتا ہے وہاں بندوں کے حقوق سے بھی غافل نہیں ہوتا اور جہاں وہ ایمان و اعمال صالحہ کے ذریعے خود راہ حق پر چلتا ہے وہاں وہ دوسرے مسلمانوں کو بھی راہ حق پر چلنے کی تلقین کر کے انہیں بہت بڑے نقصان سے بچاتا ہے اور اگر وہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ دنیا میں نقصان اٹھاتا ہے عذاب آخرت کا بھی مستحق قرار پاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مَا مِنْ قَوْمٍ يُّعْمَلُ فِيهِمُ الْمَعَاصِىْ	جس قوم میں گناہوں کا ارتکاب ہو
ثُمَّ يَقْدِرُوْنَ عَلَىٓ اَنْ يُّغَيِّرُوْا ثُمَّ لَا	پھر وہ اسے بدلنے پر قادر بھی ہوں
يُغَيِّرُوْنَ اِلَّا يُوْشِكُ اَنْ يَّعُمَّهُمُ	لیکن اسے نہ بدلیں تو قریب ہے کہ
الْعَذَابُ (6)	وہ تمام عذاب میں مبتلا ہوں۔

راہ حق کو اختیار کرنے کی صورت میں کانٹوں کے سیج پر چلنا بھی پڑتا ہے خواہشات کی تکمیل سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں اور مصائب و آلام کی وادی کو بھی طے کرنا پڑتا ہے لیکن اس کا نتیجہ آرام و سکون اور دائمی نعمتوں کے حصول

وہ اس مسافر کی طرح نقصان میں رہتا ہے جو اپنی تمام پونجی سفری آسائشوں اور بے مقصد امور پر خرچ کر کے منزل پر خالی ہاتھ پہنچتا ہے لیکن جو مسافر سمجھدار اور دانا ہوتا ہے وہ سفر میں حسب ضرورت خرچ کرتا ہے اور سفر کی وقتی صعوبتیں برداشت کر کے اپنی تمام پونجی کو گھریلو ضروریات اور حالت اقامت کے اخراجات کے لئے محفوظ رکھتا ہے سورۃ عصر میں اسی بات کو واضح کیا گیا ہے یہ سورۃ جو خیرالکلام ماقل و دل بہترین کلام وہ ہے جو مختصر مگر جامع ہو کی عملی تصویر ہے۔

جہاں فصاحت و بلاغت کا ایک حسین شاہکار ہے وہاں اس میں معانی و مفاہیم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک ایسا سمندر پنہاں ہے جس کا نظارہ چشم فلک نے کبھی کیا نہ کبھی کر سکے گی۔ کسی کلام کی اہمیت کو دو چند کرنے کے لئے اسے قسم کے ساتھ موکد کیا جاتا ہے اس قاعدے کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ سورۃ عصر کا مضمون نہایت اہم اور بہترین فوائد کا حامل ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ اس سورۃ کو قسم سے شروع کیا گیا بلکہ قسم کے لئے ایک ایسی چیز کا انتخاب کیا گیا جس کا مضمون سورت سے گہرا تعلق ہے۔

مفسرین کی تصریح کے مطابق یہاں عصر سے مطلق زمانہ زوال سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت، نماز عصر اور سرکاردوعالم ﷺ کا زمانہ مراد لیا گیا ہے۔ اگر غور و فکر کے میدان میں عقل و دماغ کی سواری کو دوڑایا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہو کر سامنے آتی ہے کہ زمانہ انقلابات کا مصدر ہے یہی وہ منبع ہے جس سے خیر کے دھارے پھوٹتے ہیں اور اسی کے آتش کدے سے شر کے انگارے بکھرتے ہیں اور یہی دو باتیں اس سورت کا مضمون ہے۔

زوال (دوپہر) کے وقت سے لیکر مغرب تک کا وقت دن کا نصف آخر ہوتا

ہے اگر اس وقت کی قسم کھائی گئی ہے تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح دن کا نصف اول چلا گیا اور دوسرا نصف ابھی باقی ہے دن کے پہلے حصے کی کوتاہی کا ازالہ ممکن ہے اگر یہ وقت خواب غفلت میں گزرا ہے تو ابھی بھی محنت مشقت اور عمل کی گنجائش ہے اسی طرح انسان کو اخروی اعتبار سے کامیابی کا راستہ بتاتے ہوئے آگاہ کیا گیا کہ اگر اس کی زندگی کا گذشتہ وقت گناہوں اور معاصی کی نذر ہو گیا ہے تو اب بھی وقت ہے جس میں وہ توبہ ' استغفار اور اعمال صالحہ کے ذریعے نجات حاصل کر کے اخروی زندگی کو کامیاب بنا سکتا ہے اگر یہ نماز عصر کی قسم ہے تو مضمون سورت کی طرف یوں اشارہ کیا گیا کہ عصر کا وقت سیرو تفریح اور کاروبار کے عروج کا وقت ہوتا ہے بنابریں انسان اس اہم نماز کی ادائیگی سے غفلت برتتا ہے جسے صلوۃ وسطٰی درمیانی نماز کہہ کر اس کی پابندی کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ (3)

تمام نمازوں بالخصوص درمیان والی نماز کی حفاظت کرو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے باادب کھڑے ہو جاؤ

اور حدیث شریف کے مطابق نماز عصر کا فوت ہو جانا اہل و مال کے نقصان کا باعث ہے رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَ مَالُهٗ (4)

جس سے عصر کی نماز رہ گئی گویا اس کو اہل و عیال کے اعتبار سے نقصان ہوا۔

اور اگر یہ سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ مبارکہ کی قسم ہے تو اس میں اس

بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ زمانہ تمام زمانوں سے افضل ہے اور چونکہ آپ آخری نبی ہیں اور آپ کی رسالت و نبوت عالمگیر اور قیامت تک جاری ہے اس لئے قیامت تک کا تمام وقت آپ کا زمانہ کہلاتا ہے اس زمانے کی قسم میں مضمون سورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا گیا کہ جو شخص اس بابرکت اور عظمت سے بھرپور زمانے سے سعادتمندی کے حصول کے باوجود اپنے خالق و مالک کو بھول جاتا ہے اور جس ذات والا صفات کی نسبت سے اسے یہ اعزاز ملا اس کی تعلیمات سے روگردانی کرتا ہے وہ خسارے میں ہے جبکہ قرآن سنت کی ہدایات اور اسوہ رسول کی روشنی میں زندگی گزارنے والا شخص کامیابی سے ہم کنار ہوتا ہے سورہ عصر میں خسارے سے محفوظ رہنے کا راستہ بتایا گیا اور واضح الفاظ میں اس حقیقت کو بھی واشگاف کیا گیا کہ جو شخص اس راستے سے الگ تھلگ ہوتا ہے وہ خسارے میں ہے حصول کامیابی کے لئے چار باتوں کو اپنانے کی ترغیب دی گئی ہے ان چار باتوں میں سے سب سے پہلی اور اہم ترین بات دولت ایمان کا حصول ہے کیونکہ جب کوئی شخص ایمان کے نور سے اپنے سینے کو منور کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک نفع بخش سودا کرتا ہے وہ فانی زندگی کو اخروی زندگی کے بدلے میں بیچ دیتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال جنت کے بدلے خرید لئے (5)

اور جب وہ اپنی جان و مال کا سودا کر دیتا ہے تو اس کا مال اسی مقام پر خرچ ہوتا ہے جہاں خریدنے والا چاہتا ہے اور وہ اپنے جسمانی اعضاء کے استعمال میں بھی

اسی ذات کی خوشنودی اور چاہت کو پیش نظر رکھتا ہے اسی بات کو اعمال صالحہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کی دنیوی اور اخروی کامیابی کی بنیاد اعمالِ صالحہ ہی ہیں سورہ عصر حقوق کی تمام صورتوں کو بھی شامل ہے کیونکہ حقوق کی دو قسمیں ہیں ایک حقوق اللہ ہیں جن کا ذکر الا الذین امنوا و عملوا الصلحت میں کیا گیا اور دوسری قسم حقوق العباد سے متعلق ہے جن کا ذکر وتواصوا بالحق و تواصوا بالصبر میں ہوا۔

گویا وہ شخص جو کامیابی کی منزل تک پہنچنا اور حقیقی نقصان سے بچنا چاہتا ہے وہ جہاں حقوق اللہ کی حفاظت کرتا ہے وہاں بندوں کے حقوق سے بھی غافل نہیں ہوتا اور جہاں وہ ایمان و اعمال صالحہ کے ذریعے خود راہ حق پر چلتا ہے وہاں وہ دوسرے مسلمانوں کو بھی راہ حق پر چلنے کی تلقین کر کے انہیں بہت بڑے نقصان سے بچاتا ہے اور اگر وہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ دنیا میں نقصان اٹھاتا ہے عذاب آخرت کا بھی مستحق قرار پاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مَا مِنْ قَوْمٍ يُّعْمَلُ فِيهِمُ الْمَعَاصِىْ	جس قوم میں گناہوں کا ارتکاب ہو
ثُمَّ يَقْدِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْ يُّغَيِّرُوْا ثُمَّ لَا	پھر وہ اسے بدلنے پر قادر بھی ہوں
يُغَيِّرُوْنَ اِلَّا يُوْشِكُ اَنْ يَّعُمَّهُمُ	لیکن اسے نہ بدلیں تو قریب ہے کہ
الْعَذَابُ (6)	وہ تمام عذاب میں مبتلا ہوں۔

راہ حق کو اختیار کرنے کی صورت میں کانٹوں کے سیج پر چلنا بھی پڑتا ہے خواہشات کی تکمیل سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں اور مصائب و آلام کی وادی کو بھی طے کرنا پڑتا ہے لیکن اس کا نتیجہ آرام و سکون اور دائمی نعمتوں کے حصول

کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے لہٰذا اس سعادت مند گروہ کے افراد دوسروں کو صبر کی تلقین بھی کرتے ہیں سورہ عصر کی اس مختصر تفسیر و تشریح کا خلاصہ یہ ہوا کہ ایمان ' اعمال صالحہ ایک دوسرے کو حق کی تلقین اور صبر کی تاکید میں انسانی فلاح کا راز پوشیدہ ہے جب کہ اس قرآنی منہاج نجات سے فرار خسارے اور نقصان کا موجب ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اخروی اور حقیقی خسارے سے بچاتے ہوئے ایمان کا دامن مضبوطی سے تھامنے ' اعمال صالحہ کے مضبوط قلعے میں محفوظ رہنے ' ایک دوسرے کو تلقین حق کرنے جیسے لائق صد تحسین عمل سے وابستہ رہنے اور راہ حق میں پہنچنے والے مصائب و آلام کو نہ صرف خندہ پیشانی سے قبول کرنے بلکہ دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کی تاکید کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ نبیہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم

مراجع

1- قرآن مجید 103 ' 1 تا 3

2- " " 16 ' 96

3- " " 2 ' 238

4- تفسیر صاوی علی الجلالین جلد 2 جزء 4 ص 298

5- قرآن مجید 9 ' 111

6- تفسیر مظہری جلد 1 ص 337

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گواہی کو نہ چھپاؤ

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَإِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (1)	اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اسے چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہے اور اللہ تعالی تمہارے اعمال کو جاننے والا ہے

اسلامی نظام معاشرت میں باہمی معاملات کو کچھ قواعد و ضوابط کا پابند بنایا گیا ہے جن کو اسلام کا شعبہ عدالت کنٹرول کرتا ہے جو انصاف کے تقاضوں کو پورا کر کے ظلم و تعدی کی راہیں مسدود کر دیتا ہے

اور اسلامی نظام عدالت میں قانون شہادت کو بے حد اہمیت حاصل ہے کیونکہ جب اخلاقی اقدار کو نظر انداز کر کے ہوس پرستی کے تحت دوسروں کے حقوق سلب کرنے اور مادی منفعت کو اولیت دینے کی راہ اختیار کی جائے یا الزام تراشی کے ذریعے کسی مسلمان کو سزا کا مستحق گردانا جائے وہاں شہادت، حق دار کو اس کا حق دلانے اور بے گناہ کو الزامات سے بری قرار دینے کا ایک موثر ذریعہ ہے کیونکہ شہادت کے ذریعے حق دار کا حق ثابت ہوتا ہے اور عدم شہادت کی وجہ سے کسی پر الزام ثابت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

دراصل کسی جرم یا حق کے ثبوت کے بنیادی طور پر دو طریقے ہیں ایک طریقے کو اقرار کہا جاتا ہے جب کہ دوسرا طریقہ شہادت کہلاتا ہے نفاذ حدود کے

سلسلے میں اسلام کا قانون شہادت موجود ہے جس کی تفصیل قرآن و حدیث اور کتب فقہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دور رسالت میں نفاذ حدود کے لئے عام طور پر اقرار ہی استعمال ہوا ان جرائم کے مرتکبین نے خود اپنے آپ کو بارگاہ نبوی ﷺ میں پیش کر کے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں پاک کیجئے اس سلسلے میں حضرت ماعز اور غامدیہ کے واقعات احادیث کی کتب میں متعدد طرق و اسناد سے بیان ہوئے ہیں۔

اس اقرار اور سزا کے لئے خود اپنے آپ کو پیش کر دینے کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے ان کی توبہ کو سراہا اور تعریف فرمائی ایسا جرم جو کسی بندے کے حق سے متعلق نہ ہو یعنی اس کا تعلق حقوق العباد سے نہ ہو اس پر پردہ ڈال کر مجرم کو سمجھانے بجھانے اور اسے سزا سے بچانے کا حکم ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اِدْرَءُ وا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (2) جس قدر ممکن ہو مسلمانوں سے حدود کو دور رکھو۔

لہٰذا ایسی صورت میں گواہوں کا گواہی نہ دینا بہتر ہے تاکہ جرم کے عدم ثبوت کی وجہ سے حد نافذ نہ ہو اور وہ شخص اپنی اصلاح کر سکے اور ممکن ہے کہ وہ سزا سے بچنے کی وجہ سے بارگاہ خداوندی میں توبہ کر کے آئندہ کے لئے باز رہے۔

لیکن جہاں کسی شخص کی گواہی پر دوسرے آدمی کا حق موقوف ہو اور مدعاعلیہ ادائیگی سے انکار کر رہا ہو تو ایسی صورت میں گواہی دے کر مدعی تک اس کا حق پہنچانے میں اس کی مدد کرنا مسلمان کا فرض ہے سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا۔

اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا   اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ (3)

گواہی دینے سے جہاں مظلوم کی مدد ہوتی ہے اور اسے اس کا حق مل جاتا ہے، وہاں ظالم بھی جو اس کا حق مار رہا ہے ادائیگی حق کے ذریعے اس بوجھ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے روکا جائے۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہ ہو یا اسے اس کا استحقاق نہ ہو لیکن وہ دعوی کر رہا ہو ایسی صورت میں اسے اپنا حق ثابت کرنے کے لئے گواہ پیش کرنا ہوں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

لَوْ یُعْطَی النَّاسُ بِدَعْوَاھُمْ لَا دَّعَی النَّاسُ دِمَاءَ رِجَالٍ وَّ اَمْوَالَھُمْ (4)   اگر لوگوں کو محض انکے دعوی پر دیا جائے تو کچھ لوگ دوسرے لوگوں کے خونوں اور مالوں پر دعوی کرنے لگیں۔

اس لئے شریعت اسلامیہ نے ثبوت دعوی کے لئے شہادت کا قانون رکھا ہے ہادی دو جہاں ﷺ نے فرمایا۔

اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ (5)   مدعی پر گواہ پیش کرنا اور مدعی علیہ پر قسم ہے۔

بنابریں جو لوگ کسی معاملے میں گواہ بنتے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ گواہی دے کر حق دار کو اس کا حق دلانے میں ممد و معاون ثابت ہوں۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص قرض لیتا ہے تو وہ قرض خواہ کو ایک تحریر دیتا ہے اور اس پر گواہ بھی قائم کرتا ہے اگرچہ اس عمل کو ضروری قرار

نہیں دیا گیا تاہم انکار اور جھگڑے سے بچنے کے لئے ایسا کرنا مفید ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے بھی اس عمل کی ترغیب دی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰىٓ اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ (6) جب تم کسی مقرر وقت تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو

پھر اس تحریر پر گواہ قائم کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ (7) اور دو آدمیوں کو گواہ بناؤ جو تمہارے مردوں میں سے ہوں اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔

اب بہتر صورت تو یہ ہے کہ قرض دار اپنی شرعی اور اخلاقی ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے خود بخود قرض کی ادائیگی کرے ورنہ قیامت کے دن ادائیگی نہ ہو سکے گی اور سزا بھگتنا ہو گی۔

لیکن اگر وہ ہوس زر کی وجہ سے ایسا نہیں کرتا اور نوبت عدالت میں مقدمہ لے جانے تک پہنچ جاتی ہے تو گواہوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ عدالت میں گواہی دے کر قرض خواہ کی مدد کریں۔ ایسی صورت میں گواہوں کا انکار کر دینا یا گواہی چھپانا گناہ ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (8) اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو آدمی ہے اسے چھپائے وہ دل سے گناہ گار ہے

بعض صورتوں میں مدعی کو علم نہیں ہوتا کہ کوئی شخص اس کے حق میں

گواہی دینے والا بھی ہے یا نہیں لیکن کچھ لوگ جو صحیح صورت حال سے باخبر ہوتے ہیں اگر وہ عدالت میں گواہی دے کر مدعی کی مدد کریں تو اس سے بڑی نیکی کیا ہو سکتی ہے ایسے گواہ قابل تعریف اور لائق تحسین ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِىْ يَأْتِىْ بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ اَنْ يُّسْئَلَهَا (9)	کیا میں تمہیں بہترین گواہ کے بارے میں نہ بتاؤں یہ وہ گواہ ہے جو بن بلائے گواہی دیتا ہے۔

لیکن وہ لوگ جو جھوٹی گواہی دیتے ہیں قابل مذمت ہیں نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ سب سے بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان لوگوں کا جو مجھ سے متصل ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہیں دو یا تین بار کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا۔

ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتّٰى يَشْهَدَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ (10)	پھر جھوٹ پھیل جائے گا حتی کہ ایک شخص گواہی دے گا حالانکہ اس سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی۔

تو اس سے جھوٹی گواہی مراد ہے لہذا جس طرح سچی گواہی چھپانا جرم ہے اسی طرح جھوٹی گواہی دینا بھی ناقابل معافی جرم ہے اگرچہ شہادت کا تعلق عام طور پر معاملات یا جرائم سے ہوتا ہے لیکن اس کی کچھ دیگر صورتیں بھی ہیں مستحق طالب علم کو صحیح اور جائز نمبر نہ دینا، انتخابات میں باصلاحیت اور مخلص افراد کو ووٹ نہ دینا اور کسی مستحق کو اس کے استحقاق کے مطابق منصب پر فائز نہ کرنا بھی

گواہی چھپانے کی صورتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن احکام پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

مراجع

-1	قرآن مجید	2´283
-2	جامع ترمذی	جلد اوّل ص ۱۷۱ ابواب الحدود
-3	مشکوۃ شریف	ص 422 باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق
-4	" "	ص 326 باب الاقضیۃ والشھادات
-5	" "	ص 327 " " "
-6	قرآن مجید	2´282
-7	" "	" "
-8	" "	2´283
-9	صحیح مسلم	جلد 4 جزء 12 ص 17 حدیث 1719
-10	جامع ترمذی	جلد 2 ص 54 ابواب الشھادات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہترین انسان

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَقَفَ عَلٰی نَاسٍ جُلُوْسٍ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِخَیْرِکُمْ مِنْ شَرِّکُمْ قَالَ فَسَکَتُوْا فَقَالَ ذٰلِکَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَخْبِرْنَا بِخَیْرِنَا مِنْ شَرِّنَا فَقَالَ خَیْرُکُمْ مَنْ یُّرْجٰی خَیْرُہٗ وَ یُؤْمَنُ شَرُّہٗ وَ شَرُّکُمْ مَنْ لَّا یُرْجٰی خَیْرُہٗ وَلَا یُؤْمَنُ شَرُّہٗ (1)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ کچھ بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس آ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا ' کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ تم میں کون اچھا ہے اور کون برا (فرماتے ہیں) وہ خاموش رہے آپ نے تین بار پوچھا تو ایک شخص نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ بتایئے کہ ہم میں سے کون اچھا ہے اور کون برا آپ نے فرمایا تم میں سے اچھا وہ ہے جس سے بھلائی کی امید ہو اور تم میں سے برا وہ ہے جس سے بھلائی کی امید نہ ہوں۔

اہل ایمان 'توحید و رسالت کی شہادت کے بعد اس ضابطہ حیات پر عمل کے پابند ہو جاتے ہیں جو نبی محتشم ' ہادی دوجہاں ' سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ

ﷺ کی تعلیمات و ارشادات پر مشتمل ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (2) جو کچھ رسول ﷺ "تمہیں عطا فرمائیں اسے اپناؤ اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ"

رسول اکرم ﷺ کے فرامین و تعلیمات کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں ایک قسم کو حقوق اللہ کہتے ہیں اور دوسری قسم کو حقوق العباد کے نام سے یاد کیا ہے۔

وہ عبادات اور اعمال صالحہ جن میں مخلوق کا کوئی عمل دخل نہ ہو بلکہ محض حکم خداوندی کی تعمیل مقصود ہو اگرچہ ضمناً اس کے فوائد مخلوق تک بھی پہنچتے ہوں وہ حقوق اللہ ہیں جبکہ بندوں کے باہمی معاملات سے متعلق احکام و اعمال حقوق العباد ہیں

یقیناً مومن، حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو اپنانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا پابند ہے اور قرآن و سنت میں دونوں قسم کے حقوق کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود حقوق العباد کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی ایک معاشرتی زندگی ہے جس میں انسان ایک دوسرے کے محتاج ہیں _ لہٰذا دوسروں کی مدد کرنا بلکہ انہیں امن وسکون کی ضمانت فراہم کرنا ایک مسلمان کی ایمانی اور اخلاقی ذمہ داری ہے چنانچہ سرکار دوعالم ﷺ نے ایسے لوگوں کو بہترین انسان قرار دیا جن سے لوگوں کو اچھے سلوک کی توقع اور امید ہو اور جس شخص کے شر اور فتنہ و فساد سے انسانیت ہر وقت خوف زدہ اور لرزہ براندام ہو وہ بدترین انسان ہے ایک دوسری حدیث میں اس

بات کو مزید واضح کرتے ہوئے بتایا کہ اگر کوئی شخص صوم و صلوۃ کا پابند ہو صبح و شام عبادت خداوندی میں مصروف رہتا ہو لیکن لوگوں کو اذیت و تکلیف پہنچاتا ہو تو کثرت عبادت کے باوجود جہنم کا مستحق ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلاں عورت زیادہ نمازوں روزوں اور صدقے کے ساتھ مشہور ہے لیکن وہ اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو اذیت پہنچاتی ہے آپ نے فرمایا وہ جہنم میں جائیگی اور عرض کیا گیا یا رسول اللہ فلاں خاتون روزے ' صدقے اور نماز کی قلت کے ساتھ مشہور ہے اور وہ پنیر کے چند ٹکڑے صدقہ کرتی ہے لیکن وہ اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی آپ نے فرمایا وہ جنتی ہے (3)

اس حدیث سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص نماز ' روزے اور صدقات کے سلسلے میں فرض کی ادائیگی پر اکتفا کرے لیکن دوسروں کو امن و سکون کی دولت سے مالا مال کرتا ہو تو اس کا یہ قلیل عمل بارگاہ خداوندی میں بہت زیادہ مقبول ہوتا ہے۔ جبکہ بدامنی ' ایذا رسانی اور خوف و دہشت کی فضا قائم کرنیوالا شخص اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اگرچہ وہ عبادت خداوندی میں انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ عبادت خداوندی میں سکون و اطمینان اور لذت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان ایک پر سکون معاشرے میں زندگی گزار رہا ہو وہ مسجد میں عبادت کر رہا ہو یا گھر میں سجدہ ریز ہو جب اسے معلوم ہو گا کہ میری جان ' عزت اور مال محفوظ ہے اور میں ایک مامون و محفوظ معاشرے میں سانس لیتا ہوں تو وہ نہایت دلجمعی کے ساتھ عبادت کریگا۔ بنا بریں جن لوگوں نے اسے سکون کی

اس نعمت سے بہرہ ور کیا وہ معاشرے کے بہترین انسان ہے اور جب امن و سکون غارت ہو جائے تو تعلیم و **تعلم** ' عبادت و ریاضت تجارت و ملازمت کسی بھی عمل میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں افراد معاشرہ ہر وقت اپنی عزت ' جان اور مال کے بارے میں فکر مند رہتے ہیں .

لہٰذا وہ لوگ یقیناً معاشرے کے بدترین انسان ہیں جنھوں نے امت مسلمہ کو بے سکون زندگی گزارنے پر مجبور کر کے ان کی عبادت حصول علم اور کاروبار غرضیکہ زندگی کے ہر عمل کو بے رونق اور انتشار کا شکار بنا دیا ہے۔

انسان کسی بھی شعبے سے متعلق ہو افراد معاشرہ کو اس سے خیر کی امید ہونی چاہیے۔ اسی کو دین کہا جاتا ہے اور ایسا شخص ہی حقیقتاً دین دار کہلانے کا مستحق ہے ایک حدیث میں سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیْحَۃُ (4) "دین خیر خواہی کا نام ہے

پوچھا گیا کس کے لئے؟ آپ نے فرمایا

لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ (5) "اللہ تعالیٰ اس کی کتاب اس کے رسول ' مسلمانوں کے حکمرانوں اور عام مسلمانوں کے لئے"

گویا جو شخص مسلمانوں کی بھلائی چاہتا ہے اس سے امت مسلمہ کو بھلائی کی امید ہی ہوتی ہے اور یہی شخص دیندار ہے نتیجہ یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص منصب اقتدار پر فائز ہے یا ملی سیاست میں دخیل کار مبلغ دین ہے یا مرشد طریقت مسند تدریس پر فائز ہے یا کرسی عدالت پر جلوہ افروز ' آجر ہے یا اجیر ہر ایک خوف خدا کے رنگ میں یوں رنگا ہوا ہونا چاہیے کہ معاشرہ اس سے حسن سلوک کی امید

رکھتا ہو اور اسے یقین ہو کہ اس کو اس شخص سے کوئی گزند نہیں پہنچے گی

یقیناً جب یہ صورت پیدا ہو گی تو معاشرے کا بگاڑ خود بخود ختم ہو جائے گا

بے اطمینانی کے بادل چھٹ جائیں گے اور نفرتوں کی دیواریں گر جائیں گی۔

مراجع

1- مشکوۃ شریف ص 425 باب الحب فی اللہ و من اللہ

2- قرآن مجید 7'59

3- مشکوۃ شرف ص 424 باب الشفقتہ والرحمتہ علی الخلق

4- مشکوۃ شریف ص 423 " "

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

مہمانی اور میزبانی کے آداب

عَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ الْکَعْبِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ جَائِزَتُہٗ یَوْمٌ وَّلَیْلَۃٌ وَالضِّیَافَۃُ ثَلٰثَۃُ اَیَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِکَ فَھُوَ صَدَقَۃٌ وَلَا یَحِلُّ لَہٗ اَنْ یَّثْوِیَ عِنْدَہٗ حَتّٰی یُحْرِجَہٗ (1)

حضرت ابو شریح کعبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا احترام کرے اس کی مہمانی ایک دن اور رات ہے اور دعوت تین دن ہے اس کے بعد وہ صدقہ ہے اور مہمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کے پاس ٹھہرا رہے حتی کہ اسے تنگ کردے

یہ حدیث مہمان اور میزبان کی راہنمائی کے سلسلے میں ایک جامع حدیث ہے اس میں مہمان کی عزت و احترام کو ایمان کا تقاضا قرار دیا گیا اور ہادی دو جہاں ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کا احترام کرے اور اس اکرام اور خاطر مدارات کی طرف بدرجہ کمال متوجہ ہو۔

مہمان کی مہمانداری کے سلسلے میں میزبان کو کیا کرنا چاہیے اور مہمان کی

اخلاقی اور شرعی ذمہ داری کیا ہے ان دونوں باتوں کو بھی اس حدیث میں واضح انداز میں بیان کر دیا گیا۔

چونکہ اسلام ایک معاشرتی دین ہے اس لئے وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ میل جول اور تعلقات کے طور طریقوں اور آداب کی بھی تعلیم دیتا ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ انسان، کسی بھی مقصد کے تحت دوسرے افراد کے پاس جانے اور ان سے ملاقات پر مجبور ہوتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں آنے والے شخص کی عزت و احترام محض ایک اخلاقی فریضہ ہی نہیں اسلام کی نظر میں عبادت قرار پاتا ہے۔

اس سے پہلے کہ حدیث پاک کی مختصر تشریح پیش کی جائے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کون شخص مہمان ہوتا ہے اور اصطلاح شریعت میں کسے مہمان کہا جا سکتا ہے اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ اسی حدیث کی تشریح کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

> "ہمارا مہمان وہ ہے جو ہم سے ملاقات کے لئے باہر سے آئے خواہ اس سے ہماری واقفیت پہلے سے ہو یا نہ جو ہمارے اپنے ہی محلے یا شہر سے ملنے کے لئے آیا ہو وہ ملاقاتی ہے مہمان نہیں اس کی خاطر (تواضع) کرو لیکن دعوت نہیں اور جو نا واقف شخص اپنے کام کے لئے ہمارے پاس آئے وہ مہمان نہیں جیسے حاکم یا مفتی کے پاس مقدمہ اور فتوی والے آتے ہیں تو یہ حاکم (یا مفتی) کے مہمان نہیں۔" (2)

معلوم ہوا کہ مہمان وہ شخص ہے جو کسی دوسرے شہر سے ملاقات کے لئے

آتا ہے اس میں جان پہچان شرط نہیں بلکہ کوئی بھی شخص مہمان بن سکتا ہے۔

مہمان کی خاطر میزبان کو کیا کرنا چاہیے اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا یہ قول نہایت جامع ہے آپ نے فرمایا۔ " فلیکرم ضیفہ" کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام و احترام کرے اکرام میں مہمان کے ٹھہرنے کے لئے مناسب اور اچھی جگہ نیز عمدہ کھانا مہیا کرنا اس کے پاس بیٹھنا اور اچھی گفتگو کرنا اس کے آنے پر رنجیدہ خاطر نہ ہونا نیز چہرے پر خوشی و انبساط کے آثار نظر آنا وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔

اسی عمومی حکم کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مہمان کے کھانے کے سلسلے میں خصوصی ہدایات دی ہیں آپ نے فرمایا " **جَائِزَتُہٗ یَوْمٌ وَّلَیْلَۃٌ**" جائزہ عطیہ اور بخشش کو کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ میزبان، مہمان کی مہمان نوازی میں ایک دن رات تکلف برتے یعنی اپنی حیثیت کے مطابق جس قدر ممکن ہو اس کے لئے اچھے سے اچھے کھانے کا انتظام کرے کیونکہ عام طور پر مہمان ایک دن رات ہی میزبان کے پاس قیام کرتا ہے۔

اور اگر وہ اس کے بعد بھی ٹھہرنا چاہے تو اب جو کچھ گھر میں حاضر ہو اس کے سامنے رکھدے آپ نے فرمایا اس کی ضیافت تین دن ہے۔ یعنی پہلے دن اس کے لئے خصوصی اہتمام کرے اس کے بعد دو دن یا بعض محدثین کی تشریح کے مطابق تین دن تک اسے وہ کھانا کھلائے جو گھر مین پکتا ہے الگ سے خصوصی اہتمام کی ضرورت نہیں۔

اور اگر مہمان تین دن سے زائد بھی رہنا چاہتا ہے تو اس صورت میں اس پر جو کچھ خرچ کیا جائے گا وہ صدقہ ہو گا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے نہایت حکمت بھرے انداز میں مہمان کو اس بات کی تعلیم دی کہ وہ دوسرے کے گھر میں

بیٹھ ہی نہ جائے بلکہ اب اسے واپس گھر لوٹ جانا چاہیے کیونکہ صدقہ تو غرباء کا حق ہے اگرچہ نفلی صدقہ اہل ثروت بھی کھا سکتے ہیں اور یہ بھی نفلی صدقہ ہے لیکن پھر بھی امراء اور مالدار لوگوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ صدقہ کا مال کھائیں لہذا اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو وہ شخص واپس لوٹ جائے یا اپنے کھانے کا بل ادا کرے البتہ صاحب خانہ اس کے مزید ٹھہرنے پر ناراض نہ ہو بلکہ وہ خوشی خوشی اسے اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت دے تو کوئی حرج نہیں۔

حدیث شریف کے آخری حصے میں سرکار دو عالم ﷺ نے مہمانی کے آداب بیان کرتے ہوئے مہمان کو تنبیہہ فرمائی کہ وہ اتنا عرصہ مہمان نہ رہے کہ میزبان پر بوجھ بن جائے اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ نہایت جامع ہیں آپ نے فرمایا" وہ اس کے پاس ٹھہرا نہ رہے حتی کہ اسے حرج میں ڈال دے"

لفظ حرج استعمال فرما کر آپ نے میزبان کو پہنچنے والی تکلیف کا دائرہ وسیع کر دیا اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ بعض اوقات میزبان مالی کمزوری کی بنیاد پر مہمان کو مناسب کھانا مہیا نہیں کر سکتا حالانکہ وہ چاہتا ہے کہ جتنے دن مہمان اس کے پاس قیام پذیر رہے اسے اچھا کھانا دے تو اس صورت میں وہ قرض لینے پر مجبور ہو جائیگا اسی طرح میزبان کا مکان تنگ ہو تو گھر والوں کو مہمان کی وجہ سے پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ایسا بھی ممکن ہے کہ اب کوئی دوسرا مہمان آجائے اور گھر میں جگہ ناکافی ہو تو میزبان پریشان ہو جائے گا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میزبان کو مہمان کی خاطر وقت دینا پڑے حالانکہ وہ اپنی ملازمت یا کاروبار یا کسی دوسری علمی یا دینی سرگرمیوں کی وجہ سے وقت نہ دے سکتا ہو اور مہمان اسے اس کی بے

اعتنائی اور تکبر پر محمول کرے۔

بالخصوص آج کے دور میں جب ہر شخص مصروفیات کے بھنور میں پھنسا ہوا ہے مہمان کے لئے اتنا وقت نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے لہٰذا مہمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے میزبان کے ہاں اتنا قیام نہ کرے کہ وہ پریشانی میں مبتلا ہو جائے محدثین کرام نے اس حدیث کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ مہمان کے زیادہ ٹھہرنے کی وجہ سے میزبان گناہ کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے یعنی ممکن ہے گھر والے غیبت کر بیٹھیں اور علیحدگی میں یوں کہیں کہ دیکھو یہ شخص کیسا عجیب ہے کہ اس نے ہمیں پریشان کر دیا تو اس طرح غیبت کی وجہ سے وہ گناہ گار ہوں گے اور اس کا باعث وہ مہمان ہے۔

غرضیکہ حدیث شریف نے مہمان کی خاطر تواضع کی ترغیب کے ساتھ ساتھ مہمان کی ذمہ داری کو بھی واضح کیا ہے سرکار دو عالم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کی عظمت و اہمیت اس وقت دو چند ہو جاتی ہے جب خود آپ کا عمل اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ کسی راہنما کی بات اسی وقت قابل قبول ہوتی ہے جب وہ خود بھی اس پر عمل کرے ورنہ قول و فعل کا تضاد' اس پر عمل کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے نبی اکرم ﷺ نے جہاں دوسروں کو مہمان کی عزت و احترام کا حکم دیا وہاں آپ خود بہت بڑے مہمان نواز تھے حتی کہ کفار بھی آپ کی میزبانی سے مشرف ہوتے تھے جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو آپ نے انہیں خود اپنے ہاں مہمان اتارا اور بنفس نفیس ان کی خدمت کی۔

ایک دفعہ ایک کافر آپ کے ہاں مہمان ہوا تو آپ نے ایک بکری کا دودھ اسے پلایا وہ سارا دودھ پی گیا آپ نے دوسری بکری منگوائی وہ بھی کافی نہ ہوئی

غرضیکہ سات بکریوں تک نوبت آئی اور جب تک وہ سیر نہ ہوا آپ پلاتے رہے۔

(3)

بلکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مہمان آ جاتے اور گھر میں جو کچھ موجود ہوتا وہ ان کی نذر ہو جاتا اور تمام اہل خانہ فاقہ میں وقت گزرتے اور نبی اکرم ﷺ راتوں کو اٹھ اٹھ کر مہمانوں کی خبر گیری بھی کرتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مہمان کی عزت و احترام اور اس سے اچھا سلوک کرنا سرکار دوعالم ﷺ کی سنت بھی ہے اور آپ کے حکم کی تعمیل بھی' اخلاقی و شرعی فرض بھی ہے اور ایمان کا تقاضا بھی' ایثار و قربانی کی علامت بھی ہے اور ایک محبت بھرے معاشرے کی تشکیل بھی اللہ تعالیٰ ہم سب کو مہمانوں کی عزت و احترام کو توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ **نبیہ الکریم علیہ التحیتہ والتسلیم** ﷺ

مراجع

1- مشکوۃ شریف ص 368 باب الضیافتہ فصل اول حدیث نمبر 2

2- مراۃ شرح مشکوۃ (حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ) جلد 6 ص 54

3- صحیح مسلم جلد 2 ص 186 باب المومن یاکل فی معی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقروض کو مہلت دینا

عَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ کَانَ لَہٗ عَلٰی رَجُلٍ حَقٌّ فَمَنْ اَخَّرَہٗ کَانَ لَہٗ بِکُلِّ یَوْمٍ صَدَقَۃٌ (1)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا" جس آدمی کا دوسرے کے ذمہ کوئی حق ہو تو جو اسے مہلت دے گا اسے ہر دن کے بدلے ایک صدقہ (کا ثواب) ملے گا"

انسانی زندگی ' دنیوی ہو ' برزخی ہو یا اخروی ' اسی وقت کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے جب وہ اسوہ رسول اکرم ﷺ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اور فرمان رسول ﷺ کے زرق برق لباس میں سجی ہوئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کے ارشادات و فرامین پر عمل پیرا ہونے کو قرآن پاک نے زندگی سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (2)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ کیونکہ وہ اس عمل کی طرف بلاتے ہیں جس میں تمہاری زندگی ہے

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حقیقی زندگی وہی ہوتی ہے جو کامیاب ' پرسکون اور مصائب و آلام سے محفوظ ہو۔ گویا فرمان رسول کو دل و جان سے قبول کرتے ہوئے اس پر عمل کرنا ایک کامیاب زندگی کی ضمانت ہے۔

فرامینِ رسول ﷺ میں سے ایک اہم بات اس حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے جو حدیث آغاز گفتگو میں نقل کی گئی اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے صاحب حق کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ اپنا حق وصول کرتے وقت ضرورت کے مطابق مقابل شخص کو مہلت دے

اسی طرح کئی معاشرتی فوائد کے ساتھ ساتھ روحانی فائدہ یوں حاصل ہو گا کہ جتنے دن تاخیر ہو گی اسے ہر روز ایک صدقے کا ثواب ملتا رہے گا۔ یہاں صاحب حق سے مراد قرض خواہ ہے اور دوسرا شخص جسے مہلت دینے کا حکم دیا گیا ہے اسے مقروض یا قرض دار کہتے ہیں

قرض کے سلسلے میں ارشادات رسول ﷺ کی روشنی میں چار باتیں اہم ہیں۔ پہلی بات یہ کہ ضرورت کے بغیر قرض نہ لیا جائے ورنہ اخروی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ (3)	مومن کی جان قرض کے باعث معلق رہتی ہے یہاں تک کہ اس کی طرف سے قرض ادا کر دیا جائے۔

محدثین کرام نے اس حدیث کا مفہوم یوں بیان کیا ہیکہ جب تک قرض کی ادائیگی نہ ہو جائے وہ شخص جنت میں داخل نہ ہو گا یا وہ نیک لوگوں کی جماعت

میں شامل نہ ہو گا۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جب تک اس کی طرف سے قرض ادا نہ کر دیا جائے اور یہ محرومی اس شخص کی بدبختی کی علامت ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کی دعا' باعث سکون و نجات ہے اور قرض دار اس سے محرومی کاشکار ہو جاتا ہے قرآن پاک نے نبی اکرم ﷺ کی دعا کے بارے میں فرمایا

اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ (4) بے شک آپ کی دعا (یا نماز جنازہ) ان کے لئے باعث سکون و اطمینان ہے

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم بارگاہ نبوی میں حاضر تھے کہ ایک شخص جنازہ لایا گیا صحابہ کرام نے عرض کیا حضور! اس کی نماز جنازہ پڑھائیں آپنے پوچھا کیااس کے ذمہ قرض ہے انہوں نے عرض کیا نہیں تو آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی' پھر ایک اور جنازہ لایا گیا آپ نے پوچھا اس کے ذمہ قرض ہے انہوں نے عرض کیا جی ہاں آپنے پوچھا اس نے کوئی مال چھوڑا ہے انہوں نے عرض کیا تین دینار چھوڑیں ہیں تو آپ نے اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائی پھر تیسرا جنازہ آیا تو آپ نے پھو سوال کیا کہ کیا اس کے ذمہ قرض ہے؟ انہوں نے عرض کیا تین دینار ہیں فرمایا کیا اس نے کوئی مال چھوڑا ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھو' حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں یہ قرض میرے ذمہ ہے چنانچہ آپ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (5)

یہاں یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ نماز جنازہ پڑھنا رسول اکرم ﷺ پر

فرض عین نہ تھا اور آپ ﷺ خود پڑھانے سے گریز کرتے ہوئے دوسروں کو نماز جنازہ پڑھنے کا حکم اس لئے دیتے تھے کہ لوگ بلا ضرورت قرض نہ لیں اور انہیں یہ ڈر ہو کہ اگر ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ ہم قرض کی ادائیگی نہ کرسکے تو رسول اکرم ﷺ کی مقبول دعا سے محروم ہو جائیں گے۔

قرض کے بارے میں دوسری بات یہ ہیکہ اگر کوئی شخص مجبور ہو اور اسے قرض کی ضرورت ہو تو جو لوگ استطاعت رکھتے ہیں وہ اس کی ضروت کو پورا کرنے کے لئے قرض کے ذریعے تعاون کریں اور ایسی صورت میں قرض لینا جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے چالیس ہزار کا قرض لیا جب آپ کے پاس مال آیا تو آپ نے مجھے واپس دے دیا۔ قرض سے متعلق تیسری بات یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی میں بلاوجہ تاخیر نہ کی جائے، نہ قرض خواہ کو پریشان کیا جائے۔ اور نہ ہی اس کا انکار کیا جائے بلکہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ قرض ادا کرے اور قرض خواہ کے لئے دعا بھی کیجائے۔ چنانچہ جو شخص ضرورت کے وقت اچھی نیت سے اور واپس کرنے کے ارادے سے قرض لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور جس آدمی کی نیت اچھی نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کے حصول سے محروم رہتا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اَدَاءَ هَا اَدَّى اللّٰهُ عَنْهَا وَمَنْ اَخَذَ يُرِيْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ (6)

جو شخص لوگوں سے مال لیتا ہے اور ادائیگی کی نیت کرتا ہے اللہ تعالیٰ ادائیگی پر اس کی مدد کرتا ہے اور جو آدمی قرض لے کر اسے ضائع کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی میں اس کی مدد نہیں فرماتا۔

رسول اکرم ﷺ نے جب حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ کا قرض واپس کیا تو فرمایا

بَارَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ اِنَّمَا جَزَآءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْاَدَآءُ (7)

اللہ تعالیٰ تجھے تیرے اہل و مال میں برکت عطا فرمائے بے شک قرض کا بدلہ شکریہ ادا کرنا اور ادائیگی کرنا ہے

گویا سرکار دوعالم ﷺ نے واضح فرمایا کہ قرض دار، قرض بھی واپس کرے اور قرض خواہ کا شکریہ بھی ادا کرے ۔ قرض سے متعلق چوتھی اور اہم بات یہ ہے کہ اگر مقروض تنگدست ہو اور ادائیگی ناممکن ہو تو اسے، حالات کی درستگی تک مہلت دی جائے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ (8)

اگر وہ (مقروض) تنگدست ہو تو اس کے کشادہ حال ہونے تک مہلت دو

بلکہ قرض خواہ کے حالات اجازت دیں تو معاف کر دے اس میں اس کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (9)

اور تمہارا صدقہ کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے

مقروض کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید جہاں قرآن پاک میں مذکور ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے وہاں احادیث مبارکہ میں بھی اس کی تعلیم دی گئی بلکہ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا وہ اپنے غلام کو ہدایت

دیتے ہوئے کہتا کہ اگر (مقروض) تنگدست کے پاس جاؤ تو اس سے معاف کردو شاید اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کر دے چنانچہ اس نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا تھا۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا۔

مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُّنَجِّيَهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُّعْسِرٍ اَوْيَضَعْ عَنْهُ (10)

جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کی سختیوں سے نجات دے تو وہ تنگدست (مقروض) کو مہلت دے یا معاف کر دے

انسانی عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مقروض کو مہلت دی جائے کیونکہ کسی حاجت مند کو قرض اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ پریشانی سے نجات حاصل کرے اور اپنی ضروریات کو پورا کر سکے اب اگر قرض خواہ اسے دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے یا ان سے قرض لینے پر مجبور کرتا ہے تو گویا وہ پہلی مرتبہ حسن سلوک کا مظاہرہ کرنے کے بعد اب خود اس نیکی کو زائل کر رہا ہے لہٰذا اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنے مجبور مسلمان بھائی کے ساتھ نیکی کرتے ہوئے اسے قرض کی ادائیگی کے لئے مہلت دی جائے اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

مراجع

1- مسند امام احمد بن حنبل جلد 4 ص 443

2- قرآن مجید 24'8

3- جامع ترمذی جلد اول ص 174

4- قرآن مجید 103'9

5- مشکوۃ شریف ص 252 باب الافلاس والانظار

6- صحیح بخاری جلد اول ص 321

7- سنن نسائی جلد 2 ص 277

8- قرآن مجید 280'2

9- " " " " " "

10- مشکوۃ شریف ص 251 باب الافلاس والانظار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بد گوئی کی مذمت

انسانی معاشرے میں امن و سکون کی فضا کا قیام باہمی رواداری ' محبت و یگانگت اور حسن اخلاق کا تقاضا کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کو خلق عظیم کے وصف سے موصوف فرمایا ارشاد خداوندی ہے

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (1) اور بے شک آپ بہت بڑے اخلاق کے مالک ہیں

یہی نہیں بلکہ آپ کی بعثت کا مقصد بھی اخلاق عالیہ کی تکمیل قرار پایا اس سلسلے میں خود سرکاردوعالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ (2) مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اچھے اخلاق کی تعلیم و ترغیب دی اور بداخلاقی اور بدگوئی کی سخت مذمت فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا قیامت کے دن میزان میں جو سب سے بھاری چیز رکھی جائیگی وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور حسن اخلاق ہے۔

بداخلاقی کی مذمت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ بداخلاق' بدکلام اور بدگو شخص جہنم میں جائیگا چنانچہ طبرانی شریف کی ایک روایت میں ہے نبی اکرم

ﷺ نے فرمایا بندہ اپنے برے اخلاق کی وجہ سے جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں جائیگا۔ (3)

چونکہ بدگوئی اور بدکلامی کا تعلق انسان کی زبان سے ہوتا ہے اس لئے سرکاردوعالم ﷺ نے جہاں بدگوئی کی مختلف صورتوں سے انفرادی طور پر منع فرمایا وہاں زبان کی حفاظت کا حکم دیتے ہوئے بدگوئی کی تمام **شکلوں** کا راستہ مسدود کردیا زبان کی حفاظت کے سلسلہ میں آپ نے دو طرح کی ہدایات دی ہیں ایک یہ کہ زبان سے جو کلمہ نکلے وہ "پہلے تولو پھر بولو" کا مظہر ہو اور دوسری ہدایت یہ کہ کسی ضرورت کے بغیر گفتگو نہ کی جائے بلکہ خاموشی اختیار کی جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بعض اوقات بندہ رضائے خداوندی پر بنی ایک کلمہ کہتا ہے اور اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کلمے کے ذریعے اس شخص کے دراجات کو بلند فرماتا ہے اور کبھی بندہ ایسا کلمہ کہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے لیکن وہ شخص اپنی دانست میں اسے معمولی سمجھتا ہے اور اس کے سبب سے وہ جہنم میں جاتا ہے۔

(4)

اس حدیث کے الفاظ مبارکہ پر غور کیجئے ہمارے ہادی و راہنما ﷺ نے کس حکمت بھرے انداز میں واضح فرمایا کہ جب زبان سے کوئی بات نکلے تو اگرچہ وہ بظاہر معمولی ہو اپنے نتائج اور عواقب کے اعتبار سے وہ معمولی نہیں ہوتی چنانچہ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ معمولی سا مذاق اس قدر طول پکڑتا ہے کہ قتل تک نوبت آجاتی ہے بلکہ ایسا بھی ممکن ہے کہ وہ صرف ایک قتل پر اختتام پذیر نہ ہو اور کئی خاندان اس دشمنی کی بھینٹ چڑھ جائیں۔

اس لئے نبی اکرم ﷺ نے واضح فرمایا کہ اس کلمے کے اثرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے گفتگو کرو اگر وہ محبتوں کا امین ہے تو کہدو اور اگر نفرتوں کا بیج بوتا ہے تو اس کو زبان پر لانے سے اجتناب کرو حقیقت یہ ہے کہ امام الانبیاء ﷺ کی تبلیغ جس قدر حکمت و موعظت کے نور سے منور ہے اور ایک ماہر نبض شناس حکیم کی طرح آپ نے تشخیص مرض اور تجویز دوا کے سلسلے میں جو حکیمانہ راہ اختیار کی ہے اس کی مثال کہیں نہیں ملتی آپ نے بدگو شخص پر واضح فرمایا کہ جب تم کسی بے گناہ شخص کے خلاف اپنی زبان کے تیر چلاؤ گے تو دیکھ لو کہیں وہ تیر خود تمہاری طرف رخ کرنا شروع نہ کر دیں

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کو فاسق یا کافر کہتا ہے حالانکہ وہ ایسال نہیں ہے تو یہ الفاظ خود اس کہنے والے کی طرف لوٹتے ہیں۔ (5)

آپ نے نہ صرف یہ کہ اخلاق حسنہ کی تعلیم دی خود اس پر عمل پیرا ہو کر بھی ہماری راہنمائی فرمائی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضری کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا اسے اجازت دے دو (اور ساتھ ہی فرمایا) یہ اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے جب وہ شخص بیٹھ گیا تو آپ نہایت خوشگوار انداز اور خندہ پیشانی سے پیش آئے چہرے پر بشاشت' ہونٹوں پر مسکراہٹ اور کلام میں نہایت نرمی تھی۔ جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اس شخص کے بارے میں فلاں فلاں بات فرمائی اور اس کے بعد خندہ پیشانی سے پیش آئے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے تم نے کب فحش

کلام پایا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے برا وہ شخص ہو گا جسے لوگوں نے اس کے شر سے ڈرتے ہوئے چھوڑ دیا ہو۔ (6)

ہادی دوجہاں ﷺ کے اس رویے سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں ایک یہ کہ اگر کوئی شخص برا بھی ہو تو اس سے بھی حسن اخلاق کا برتاؤ کیا جائے۔ اور دوسری بات یہ کہ اگر اس کی برائی متعدی ہو اور اس کا نقصان دوسرے لوگوں کو بھی پہنچتا ہو تو لوگوں کو اس سے آگاہ کو دینا چاہیے تاکہ وہ اس شخص سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کر سکیں اور ہمارے اس شخص کے ساتھ حسن اخلاق کی وجہ سے دوسرے لوگ مغالطے کا شکار نہ ہو جائیں

بدگوئی میں گالی گلوچ، تمسخر مذاق، غیبت و بہتان اور جھوٹ و عیب جوئی جیسی تمام خرابیاں شامل ہیں اور سرکار دوعالم ﷺ نے ان سب کی مذمت فرمائی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مومن نہ تو لعن طعن کرتا ہے اور نہ ہی بیہودہ گفتگو کرتا ہے۔ (7)

چونکہ جرائم کا تعلق زبان سے بھی ہے اس لئے جہاں گفتگو کا مبنی بر اخلاق ہونا ضروری ہے وہاں خاموشی اختیار کرنا اور بلاضرورت گفتگو نہ کرنا یعنی اپنی زبان کو قابو رکھنا بھی انسان کو بدگوئی سے محفوظ رکھتا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدمت میں عرض کیا گیا کہ کوئی ایسا عمل بتایئے جو جنت میں جانے کا باعث ہو آپ نے فرمایا کبھی مت بولو تو لوگوں نے عرض کیا ایسا تو نہیں ہو سکتا آپ نے فرمایا اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو اچھی بات کے علاوہ زبان سے کچھ نہ نکالو حضرت ابو سعید ﷺ کی ایک روایت میں سے نبی اکرم ﷺ

نے فرمایا جب انسان صبح کرتا ہے تو تمام اعضاء زبان کے سامنے نہایت عاجزی سے عرض گزار ہوتے ہیں کہ ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہمارا تعلق تم سے ہے اگر تم ٹھیک رہیں تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے تم ٹیڑھی ہو گئی تو ہم ٹیڑھے چلیں گے۔ (8)

گویا زبان انسان کو نجات بھی دے سکتی ہے اور تختہ دار پر بھی لٹکا سکتی ہے اگر گفتگو کرنا مقصود ہو تو نہایت شستہ' شائستہ' مبنی بر حکمت اور نافع ہونی چاہیے جو ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دے اور انسان سے شیطان کا رخ موڑ دے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو خاموشی اختیار کرنے میں ہی نجات ہے اسی میں بھلائی ہے اور یہی معاشرے کی بقا اور امن و سلامتی کی ضامن ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسن اخلاق کی دولت سے مالا مال فرمائے اور بدگوئی جیسی خرابی سے محفوظ رکھے۔

آمین ثم آمین

مراجع

1- قرآن مجید 4، 68

2- مشکوۃ شریف ص 432 باب الرفق والحیاء و حسن الخلق

3- مجمع الزوائد جلد 8 ص 25

4- مشکوۃ شریف ص 411 باب حفظ اللسان

5- " " " " " "

6- " " " " " "

7- " " " 413 " " "

8- " " " " "

باب :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جھوٹی قسم کے ساتھ سودا بیچنا

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ ثَلٰثَۃٌ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ قَالَ اَبُوْذَرٍّ خَابُوْا وَ خَسِرُوْا مَنْ ھُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَہٗ بِالْحَلْفِ الْکَاذِبِ (1)

" حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ' نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا تین قسم کے لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا ' نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے درد ناک عذاب ہے ' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! وہ لوگ رسوا ہوئے اور انہوں نے نقصان اٹھایا وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا بطور تکبر کپڑا لٹکانے والا ' احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم کے ذریعے اپنا سامان فروخت کرنے والا "

سرکار دوعالم ﷺ کی حیات طیبہ امت مسلمہ بلکہ کائنات انسانیت کے لئے ایک بہترین نمونہ اور آپ کے ارشادات مبارکہ ' حکمت و دانائی کا وہ انمول خزانہ ہے جسے اپنا کر عملی زندگی میں استغناء کا حصول اور عملی فقر و مسکنت سے

بچاؤ ممکن ہو جاتا ہے۔

رسول معظم حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات نہایت جامع، عالمگیر اور نفع بخش ہونے کے ساتھ ساتھ باہمی اتحاد، یگانگت اور حسن معاملہ کی ضمانت دیتی ہیں۔

اس وقت ہمارا موضوع "دوکاندار کا جھوٹی قسم کھا کر اپنا سودا بیچنا ہے" سرکاردوعالم ﷺ نے ایسے لوگوں کی سخت مذمت فرمائی حتی کہ آپ نے فرمایا اس قسم کے لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کے شرف سے محروم ہوں گے، نہ تو انہیں رب العزت کی نظر رحمت سے حصہ ملے گا اور نہ وہ روحانی پاکیزگی کے مستحق ہوں گے

انسانی زندگی میں معاشی نظام کو بے انتہا اہمیت حاصل ہے کیونکہ عبادت کی بنیاد جسمانی صحت اور تندرست و توانا جسم قرار پاتا ہے اس کے علاوہ ستر جسم نماز کی شرائط میں سے ایک اہم شرط ہے پھر عبادت خداوندی کے لئے پرسکون ماحول اور ذہنی طور پر اطمینان کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ جب تک کوئی شخص معاشی اعتبار سے مطمئن نہ ہو نہ وہ نماز کے لئے قیام کر سکتا ہے۔ نہ روزہ رکھنے کے لئے تیار ہو سکتا ہے اور نہ ہی زکوۃ و حج جیسے فرائض کی ادائیگی کا اہل ہو سکتا ہے، معاشی بدحالی کی وجہ سے انسان تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا حاصل نہیں کر سکتا اور پھر جب تک رزق حلال کے سلسلے میں مطمئن نہیں ہو گا عبادت کی ادائیگی کماحقہ نہیں ہو سکتی۔

اسباب معیشت میں بہترین ذریعہ ہاتھ کی کمائی اور تجارت ہے سرکار دوعالم ﷺ سے پوچھا گیا کونسی کمائی بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا

عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ وَ كُلُّ بَيْعٍ مَّبْرُوْرٍ (2)	انسان کا اپنے ہاتھ سے عمل کرنا اور ہر ایسا سودا جو دھوکے اور خیانت سے محفوظ اور شریعت میں مقبول ہو۔

ایک دوسری حدیث میں آپ نے تاجر کی عظمت کو یوں واضح فرمایا۔

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ (3)	سچا اور امانتدار تاجر (قیامت کے دن) انبیاء کرام، صدیقین اور شہداء کرام کے ساتھ ہو گا۔

جب تاجر کو بارگاہ نبوی سے یہ اعزاز حاصل ہوا تو ہر ایسا عمل جو شرعاً ناپسندیدہ اور عوام کی نگاہ میں باعث نفرت اور بے اعتمادی کا ذریعہ بنے، کسی تاجر کے لئے مناسب نہیں۔ ان امور میں سے ایک بات، جھوٹی قسم کے ذریعے سودا بیچنا ہے، اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچنے والا کئی گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے پہلی بات یہ کہ وہ جھوٹ بولتا ہے جو قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق ممنوع اور ہر سلیم الفطرت انسان کے نزدیک معیوب ہے اور کوئی بھی ذی شعور شخص جھوٹ کو پسند نہیں کرتا۔ دوسرا گناہ یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولتے وقت قسم کھاتا ہے اور یوں اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کی توہین کرتا ہے اور یہ نہایت قبیح عمل ہے، تیسری بات یہ کہ وہ جھوٹ اور توہین بارگاہ خداوندی کے ذریعے رزق کما کر خود بھی کھاتا اور اپنے اہل و عیال کو بھی کھلاتا ہے جس کے نتیجے میں اس کے گھریلو ماحول میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور اس حرام دولت کے ذریعے وہ قبولیت دعا سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور چوتھی خرابی یہ ہے

کہ معاشرے میں یہ شخص بدنام و بے اعتماد ہو جاتا ہے اس سے سودا خریدنے والا جب دیکھتا ہے کہ اس نے قسم کے ذریعے ناقص مال کو عمدہ قرار دینے یا زیادہ پیسے وصول کرنے کی راہ اپنائی ہے تو وہ اس کے اس جرم پر مطلع ہوتے ہوئے اس سے نہ صرف نفرت کرتا ہے بلکہ آئندہ کے لئے اس سے لین دین منقطع کر دیتا ہے اور یوں روحانی نقصان کے ساتھ ساتھ ایسا دوکاندار ظاہری طور پر بھی نقصان اٹھاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف جھوٹی قسم کے ساتھ سودا بیچنے سے منع فرمایا زیادہ قسمیں کھانے سے بھی روکا ہے آپ نے ارشاد فرمایا

اِیَّاکُمْ وَکَثْرَةَ الْحَلَفِ فِی الْبَیْعِ فَاِنَّہٗ یُنْفِقُ ثُمَّ یُمْحِقُ
زیادہ قسمیں کھانے سے بچو کیونکہ اس طرح سودا تو بک جاتا ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے (4)

ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا

اَلْحَلَفُ مُنْفِقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مُمْحِقَةٌ لِلْبَرَکَةِ
قسم کے ذریعے سودا فروخت ہو جاتا ہے لیکن یہ برکت کو مٹا دیتی ہے (5)

محدثین کرام لکھتے ہیں کہ سچی قسموں کی کثرت سے بھی روکا گیا ہے کیونکہ زیادہ قسمیں کھانے سے بعض اوقات آدمی جھوٹی قسم بھی کھا لیتا ہے لہٰذا قسم چاہے سچی ہو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اور پھر بحیثیت مسلمان، ہم سب کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رزق ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے وہ ضرور ملے گا تو قسم کھا کر اپنے مال اور تجارت کو مشکوک بنانے کا کیا فائدہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہادیٔ دو جہاں ﷺ کی تعلیمات رحمت، محبت، اطمینان اور سکون کے حصول کا باعث ہیں جو شخص اپنی تجارت میں آپ ﷺ کے بتائے ہوئے سنہری اصول پیش نظر رکھتا ہے، جھوٹ بول کر اپنا سامان نہیں بیچتا، خیانت نہیں کرتا مال کا عیب نہیں چھپاتا، ذخیرہ اندوزی کی بجائے مال کو مارکیٹ میں لا کر خلق خدا کو نفع پہنچاتا ہے اور مناسب حد تک قیمت وصول کرتا ہے اسے رزق حلال حاصل ہوتا ہے اور سکون قلب کی دولت بھی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رحمت عالم ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

مراجع

1- مشکوۃ شریف ص 243 باب المساھلۃ فی المعاملۃ

2- " " " ص 242 باب الکسب و طلب الحلال

3- " " " ص 243 باب المساھلۃ فی المعاملۃ

4- " " " " " " " " "

5- " " " " " " " " "

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بے حیائی کی مذمت

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ، رسل عظام کی رسالت، آسمانی کتب کی الہامیت ، فرشتوں کی موجودگی میدان حشر کی حقانیت اور خیر و شر کی تقدیر کو دل و جان سے تسلیم کرنا ایمان اور قرآن و سنت کے مطابق اعمال کی بجاآوری کو اعمال صالحہ سے تعبیر کیا جاتا ہے

ایمان اور اعمال صالحہ کا باہمی تعلق اس قدر گہرا اور مضبوط ہے کہ اسے چولی دامن کا ساتھ کہا جا سکتا ہے اور اگر یوں کہیں تو بھی بے جانہ ہو گا کہ اسلام کی عمارت کے لئے ایمان ایک بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اور اعمال صالحہ اس کی دیواریں اور چھت ہیں اور یوں ایمان اور اچھے اعمال کا مجموعہ ایک کامل و اکمل عمارت اسلام بنتی ہے جس طرح بنیاد کے بغیر عمارت کا قیام ممکن نہیں اسی طرح ایمان کے بغیر اعمال صالحہ کی کوئی حیثیت نہیں اور جس طرح بنیاد کا بنیادی مقصد عمارت کی تعمیر ہوتا ہے اسی طرح ایمان ، انسان کو اچھے اعمال کے لئے تیار کرتا اور ان کی ترغیب دیتا ہے یوں تو اعمال صالحہ بے شمار ہیں اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کو عبادات کہا جاتا ہے بعض اخلاقیات کے زمرے میں آتے ہیں اور کچھ اعمال و معاملات کے نام سے پہچانے جاتے ہیں

لیکن ان تمام اعمال صالحہ کی بنیاد ایک ایسا وصف ہے جسکو حیا کہا جاتا ہے جس کی ضد بے حیائی ہے' حیا' نیکی کا باعث اور بے حیائی برائی کا سبب بنتی ہے۔

جب کوئی شخص صفت حیا سے محروم ہو جاتا ہے تو اعمال بد کے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے اور یوں انسان برائی کے ارتکاب میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ بے حیائی کو تمام انبیاء و رسل کی تعلیمات میں قابل مذمت گردانا گیا ہے سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں

اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّۃِ الْاُوْلٰی اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ. (1)	بے شک لوگوں نے گزشتہ نبوت سے جو کچھ پایا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جب تم میں حیا نہ رہے تو جو چاہے کرو۔

اس حدیث کا فارسی ترجمہ زبان زد خاص و عام ہے کہا جاتا ہے "بے حیا باش ہرچہ خواہی کن" یعنی جب انسان میں حیا باقی نہ رہے تو وہ جو چاہے کرے۔ عام طور پر حیا کا معنی کسی بات سے شرمانا اور بے حیائی کا مطلب شرم نہ کرنا ہے لیکن اہل لغات نے حیا کو ایسی فطری اور جبلی صفت سے تعبیر کیا ہے جو انسان کو اچھے کاموں کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ علامہ فرید وجدی ' دائرہ معارف القرن العشرین میں لفظ حیا پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اَلْحَیَاءُ هِیَ غَرِیْزَۃٌ فِی النَّفْسِ الْاِنْسَانِیَّۃِ بِهَا تَنْفَعِلُ مِنْ اِتْیَانِ مَا یَجْلِبُ اللَّائِمَۃَ وَتَتَاَثَّرُ مِنَ التَّلَبُّسِ بِمَا یُعَدُّ عِنْدَ النَّاسِ نَقْصًا (2)	انسانی فطرت میں حیا ایک ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے وہ ایسے عمل سے جدا رہتا ہے جو ملامت کا باعث ہے اور ایسے کام کے ارتکاب سے بچتا ہے جو لوگوں کے نزدیک نقص شمار ہوتا ہے۔

اور چونکہ بے حیائی ' حیا کی ضد ہے لہٰذا صفت حیا سے محرومی کے باعث انسان ان امور کے ارتکاب سے اپنے دامن کو نہیں بچا سکتا جو اسلامی معاشرے میں معیوب اور باعث ندامت ہوتے ہیں۔ علامہ فرید وجدی برائیوں سے اجتناب کے لئے صفت حیا کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے معروف سکالر اور فلسفی سید جمال الدین افغانی کا ایک قول نقل کرتے ہیں جسے شیخ محمد عبدہ نے فارسی سے عربی زبان میں منتقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

اِنَّ تَاثِیْرَ هٰذِهِ الْخُلَّةِ فِیْ حِفْظِ نِظَامِ الْجَمْعِیَّةِ الْبَشَرِیَّةِ وَکَفِّ النُّفُوْسِ اَشَدُّ مِنْ تَاثِیْرِ مِئِیْنَ مِنَ الْقَوَانِیْنِ (3)

یہ صفت انسان کے اجتماعی نظام کو محفوظ رکھنے اور انسانی نفوس کو برائیوں کے ارتکاب سے روکنے میں سینکڑوں قوانین سے بھی زیادہ موثر ہے۔

سرکار دوعالم نور مجسم ﷺ نے حیا کو دین اسلام کی خصلت قرار دیا آپ ﷺ فرمایا۔

اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ (4)

بے شک ہر دین کی ایک خصلت ہے اور اسلام کی خصلت حیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ ایک انصاری کے پاس سے گزرے وہ اپنے بھائی کو کثرت حیا سے منع کرتے ہوئے نصیحت کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ حیاء ایمان کا حصہ ہے ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ دیگر اعمال کے نسبت حیاء کا ایمان سے بہت گہرا تعلق ہے اور اسی طرح ایمان میں نقصان کے

لئے بے حیائی سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حیاء اعمال صالحہ کے لئے ممد و معاون ہے اور اعمال صالحہ ایمان کا نتیجہ ' اور پھل ہیں اور جب حیاء نہ رہے تو اعمال بد کے ارتکاب میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی اور اعمال بد ' کمال ایمان کی نفی پر منتج ہوتے ہیں گویا بے حیا انسان برائی کے ارتکاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے کئے گئے اس عہد و پیاں کو توڑتا ہے جو ایمان لانے کی وجہ سے اس نے باندھا تھا۔ ایک حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ سے یوں منقول ہے آپ فرماتے ہیں۔

اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّۃِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ مِنَ النَّارِ (5)	حیاء ایمان سے ہے اور صاحب ایمان جنت میں جائیگا اور بے حیائی برائی سے ہے اور برائی کا مرتکب جہنم میں جائیگا۔

برے اعمال کی بنیاد حیاء کا فقدان ہے اور ان اعمال کا نتیجہ ایمان سے محرومی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

"جب زانی ' زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا ' چوری کرنے والا چوری کرتے وقت مومن نہیں رہتا ' شراب پینے والا شراب نوشی کے وقت ایمان سے محروم ہوتا ہے کسی کا مال اچکنے والا جب مال چھینتا ہے تو دولت ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور جب کوئی خائن خیانت کرتا ہے تو اس کا ایمان باقی نہیں رہتا پس بچو پس بچو" (6)

محدثین کرام نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس سے کمال ایمان

کی نفی مراد ہے یعنی وہ کامل مومن نہیں رہتا۔ گویا برے اعمال ' ایمان کو نقصان پہنچاتے ہیں اور بے حیائی اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔

چونکہ حیاء کی وجہ سے انسان سوچتا ہے۔ اگر میں برے اعمال کا مرتکب ہوں گا تو لوگ کیا کہیں گے اس لئے وہ برائیوں سے اجتناب کرتا ہے لیکن صفت حیاء سے محروم انسان اس احساس ندامت سے عاری ہونے کی وجہ سے جو جی میں آئے کرتا ہے علام فریدوجدی لکھتے ہیں۔

> حیاء ' معلمین اور تربیت کرنے والوں کا آلہ ہے جس کے ذریعے وہ غافل اور سوئے ہوئے لوگوں کو ہوشیار و بیدار کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک سمجھدار اور دانا استاذ جب کسی شاگرد کو اس کی کوتاہیوں پر تنبیہہ کرتے ہوئے اس کی اصلاح کرنا چاہتا ہے تو ان الفاظ کے ساتھ کرتا ہے "حیا کرو تمہارے ساتھی تم سے آگے نکل گئے اور تم پیچھے رہ گئے" چنانچہ اس کے یہ الفاظ کارگر ہوتے ہیں اور وہ بچہ اپنے بہتر مستقبل کے لئے سوچنا شروع کر دیتا ہے (7)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حیاء ایک ایسی صفت ہے جو اعمال صالحہ تک پہنچاتی ہے اور اعمال صالحہ ' ایمان کی علامت بنتے ہیں جبکہ بے حیائی 'برائیوں کے ارتکاب کی راہ دکھاتی ہے اور برائیوں کا ارتکاب ایمان کی کمزوری کی علامت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو صفت حیاء سے مزین فرمائے _ آمین ثم آمین

مراجع

1- مشکوۃ شریف ص 431 باب الرفق والحیاء و حسن الخلق

2- دائرہ معارف القرن العشرین جلد 3 ص 657

3- " " " " "

4- مشکوۃ شریف ص 432 باب الرفق والحیاء و حسن الخلق

5- " " ص 431 " "

6- دائرہ معارف القرن العشرین جلد 3 ص 658

7- مشکوۃ شریف ص 17 باب الکبائر و علامات المنافق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور مساوات

پاکیزہ سیرت ' اعلیٰ اخلاق اور عمدہ عادات کے حوالے سے تاریخ انسانیت میں بے شمار نام ملتے ہیں لیکن ان میں سب سے درخشاں نام ' محسن انسانیت ' فخر آدمیت ' ہادی دو جہاں اور حامئ بے کساں سرکاردوعالم حضرت محمد ﷺ کا اسم گرامی ہے۔ آپ کی سیرت طیبہ کا ہر پہلو صداقت و حقانیت اور عمل کے زیور سے اس طرح مرصع ہے کہ اپنے تو اپنے مخالف کو بھی اس کے حسن ' درخشندگی اور افادیت سے مجال انکار نہیں۔

سیرت نبوی کا ایک درخشندہ پہلو مساوات ہے لفظ مساوات اس قدر مسحور کن ہے کہ دنیا کا کوئی راہنما اس سے صرف نظر نہیں کر سکتا' کوئی جماعت اس کے بغیر چل نہیں سکتی اور کوئی منشور اس کو نظر انداز کر کے جامع اور مکمل نہیں ہو سکتا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب تک کوئی لفظ قال کی دنیا سے نکل کر میدان عمل میں قدم نہیں رکھتا ہے وہ اپنی تمام تر راعنائیوں کے باوجود بے وقعت ہو کر رہ جاتا ہے اس لئے حقیقی مساوات وہی ہے جسے عمل میں لایا جائے تاریخ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کو مساوات کا حقیقی نقشہ سرکاردوعالم ﷺ کی حیات طیبہ میں نظر آتا ہے یا وہ لوگ جو اسوہ رسول کے لباس میں ملبوس ہوتے ہیں وہی کائنات عالم میں مساوات کا عملی ڈنکا بجاتے ہیں

اس سے پہلے کہ قرآن پاک ' احادیث مبارکہ اور سیرت طیبہ کی روشنی میں مساوات محمدیہ کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جائے ' لفظ مساوات کا حقیقی مفہوم واضح کرنا ضروری ہے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مساوات کا معنی برابری ہے یعنی جو کچھ زید کو دیا جائے بکر کو بھی وہی ملنا چاہیے حالانکہ اس ضابطہ کو صحیح قرار دیا جائے تو پہلی جماعت کے بچے کو وہی کتب دینا ضروری ہو گا جو ایم اے کے طالب علم کو دی جاتی ہیں

دراصل مساوات ' عدل کا دوسرا نام ہے اور عدل کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا مستحق ہے اسے وہی دی جائے پہلی جماعت کے بچے کو اس کی جماعت کے مطابق اور بی اے کے طالب علم کو اس کے معیار کے مطابق کتابیں دی جائیں ' ایک روٹی سے سیر ہونے والے کو ایک روٹی اور دو سے سیر ہونے والے کو دو روٹیاں دی جائیں تو یہ عدل ہے اور اسی کو مساوات کہتے ہیں عربی لغت کی معروف کتاب لسان العرب میں ہے

سَاوَى الشَّيْئُ الشَّيْئَ اِذَا عَادَلَهٗ وَ سَاوَيْتَ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ اِذَا عَدَلْتَ بَيْنَهُمَا وَسَوَّيْتَ (1)	یعنی جب کوئی شخص دو چیزوں کے درمیان عدل قائم کرے تو کہا جاتا ہے اس نے مساوات قائم کی

اور عدل کا معنی اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اَلْعَدْلُ اَلْحُكْمُ بِالْحَقِّ يُقَالُ هُوَ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ وَ يَعْدِلُ وَهُوَ حَاكِمٌ عَادِلٌ ذُوْمَعْدَلَةٍ فِىْ حُكْمِهٖ (2)	یعنی عدل کا معنی حق کے ساتھ فیصلہ کرنا ہے کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی حق کے ساتھ فیصلہ کرتا اور عدل سے کام لیتا ہے وہ عادل حاکم ہے جو فیصلے میں عدل کرنے والا ہے۔

گویا جس چیز کا جو حق ہے وہ اسے دینا عدل ہے اور وہی مساوات ہے قرآن

پاک میں آسمانوں کی بناوٹ کے سلسلے میں یہی لفظ استعمال ہوا ارشاد خداوندی ہے

ثُمَّ اسْتَوٰیٓ اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (3)

پھر اس نے آسمان کا قصد کیا اور انہیں ٹھیک ٹھیک سات آسمان بنایا اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

یہاں فسواھن کا معنیٰ یہ ہے کہ آسمان کو جیسا ہونا چاہیے تھا اسی انداز میں کمی زیادتی اور نقص کے بغیر ٹھیک ٹھیک بنایا۔ قرآن پاک نے عدل و مساوات کو قائم کرنے کا حکم دیا اور اسے تقویٰ کے قریب قرار دیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (4) انصاف کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے خود نظام مساوات قائم فرمایا اور دوسروں کو اس کی ترغیب دی۔ بلکہ ایک حدیث سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اسے اپنی اہم ذمہ داری اور اخلاق حسنہ کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔

آپ غزوہ حنین کا مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو **ذوالخویصرہ** نامی ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! عدل کیجئے، آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس! اگر میں عدل نہیں کروں گا تو کون کرے گا (5)

رسول اکرم ﷺ کے تشریف لاتے ہی عدل و مساوات کا دور دورہ ہوا نسلی تفاخر، قومی تکبر اور نسبی تعصب کا خاتمہ کر دیا گیا، نہ صرف تمام عرب کو ایک رنگ میں رنگ دیا گیا بلکہ عرب و عجم کی تفریق کو بھی مٹا دیا گیا نبی اکرم ﷺ نے امت مسلمہ کو مساوات کا وہ درس دیا کہ انہیں ملکی بندھنوں اور جغرافیائی حدود سے آزاد کر کے ایک عالمگیر برادری کا رکن بنا دیا یہی جذبہ مساوات

تھا جس نے حبشہ کے بلال، روم کے صہیب اور ایران کے سلمان فارسی کو مکہ مکرمہ کے حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم اور عثمان غنی رضی اللہ عنھم کے ہم پلہ کر دیا بلکہ ابو جہل، ابولہب، عتبہ اور شیبہ، قرشی اور مکی ہونے کے باوجود ان لوگوں کی صف میں شامل نہ ہو سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے مساوات کی وہ عمدہ مثالیں پیش کیں جن کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عالم عاجز ہے جب فاطمہ مخزومیہ نے چوری کی اور قریش نے اسے سزا سے بچانے کے لئے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سفارش کے لئے بھیجا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ایک شرعی سزا (حد) میں سفارش کرتے ہو تم سے پہلے لوگ اسی سبب سے تباہ ہوئے کہ وہ غریبوں پر حد جاری کرتے اور امیروں کو چھوڑ دیتے خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی ایسا کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا (6)

حجتہ الوداع کے موقعہ پر سرکار دو عالم ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ پورے عالم انسانیت کے لئے ایک مشعل راہ ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں آپ نے فرمایا،

"اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے _ اللہ تعالٰی کے ہاں تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے کسی عربی کو کسی عجمی پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت حاصل نہیں" (7)

سرکار دو عالم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ مساوات کا یہ اعلان فرمایا اس

سے پہلے خود اس پر عمل کر کے بھی دکھایا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تو لوگوں نے دوسرے قیدیوں کے ساتھ ان کے ہاتھ پاؤں بھی جکڑ کر باندھ دیئے جس کیوجہ سے وہ بے چین ہوئے ان کے کراہنے کی آواز سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں آ رہی تھی لیکن آپ نے اس خیال سے ان کے ہاتھ پاؤں نہیں کھولے کہ لوگ کہیں گے اپنے عزیزوں سے رعایت کرتے ہیں لیکن چونکہ حضرت عباس آپ کے چچا تھے اس لئے ان کی تکلیف کے باعث آپ کو رات بھر نیند نہ آئی صحابہ کرام آپ کی بے چینی کا سبب سمجھ گئے اور حضرت عباس صلی اللہ علیہ وسلم کی گرہیں ڈھیلی کرنے لگے تو آپ نے فرمایا یاتو سب کی گرہیں ڈھیلی کرو یا سب کو ویسے ہی رہنے دو۔ (8)

تہذیب و تمدن کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود کیا کوئی قوم ایسی مثال پیش کر سکتی ہے یقیناً یہ صرف اور صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کے نظام رحمت پر چلنے والوں کا طریقہ ہی ہو سکتا ہے سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات اور عمل دونوں کے ذریعے واضح کر دیا کہ قانون کی نگاہ میں امیروغریب، کالے و گورے، عربی و عجمی، حاکم و محکوم، ادنیٰ و اعلیٰ سب برابر ہیں آپ کے لائے ہوئے قرآن کا یہ قانون کہ النفس بالنفس، جان کے بدلے جان ہے دنیا بھر کی ان تمام اقوام کو چیلنج کرتا ہے جو مساوات کے بلند بانگ دعوے تو کرتے ہیں لیکن عملی طور پر وہ منافقت کا شکار ہیں ان کی منافقت کے باعث غیر مسلم اسلحہ سے لیس ہو سکتا ہے اور جدید سے جدید ترین آلات حرب کی اجازت ہے جبکہ مسلمان نہ تو اپنے دفاع کے لئے موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایٹمی طاقت حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ حق خود ارادئی سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سرکاردوعالم ﷺ نے مساوات کا جو درس دیا ہے ہمارے تمام مسائل کا حل اسی پر عمل پیرا ہونے مایں مضمر ہے اس سلسلے میں سرکاردوعالم ﷺ کا یہ ارشاد کتنا واضح اور کس قدر جامع ہے آپ نے فرمایا

لَيْسَ لِاَحَدٍ عَلٰى اَحَدٍ فَضْلٌ اِلَّا بِدِيْنٍ وَّتَقْوٰى (9) کسی شخص کو دوسرے پر دین اور تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

آج ہم نے اپنے ہادی و راہنما کی اس واضح اور عدل و انصاف پر مبنی ہدایت کو پس پشت ڈال کر دولت اور اقتدار کو فضیلت کا باعث قرار دے دیا ہے جس کے نتیجے میں مادہ پرستی اور جاہ و مرتبہ کی ہوس نے امت مسلمہ کو انتشار، افتراق، اختلاف اور باہمی عداوت میں مبتلا کر دیا ہے اور یہ مرض اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اب لا علاج معلوم ہو رہا ہے رزق حلال کا تصور ختم ہو چکا ہے مستحق اپنے حق کے حصول سے عاجز ہے اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا سماں ہے۔

اس لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ عدل و مساوات محمدی کو منشور حیات بنا کر ہم اپنے معاشرے کی ناہمواریوں کو ختم کریں اور جہاں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے حضور سرخروئی سے مشرف ہوں وہاں ایک پرسکون زندگی سے بھی متمتع ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے _ آمین ثم آمین

مراجع

1- لسان العرب جلد 14، ص 410

2- لسان العرب جلد 11، ص 430

3- قرآن مجید 2، 29

4- قرآن مجید 5، 8

5- سیرت رسول عربی ص 348

6- صحیح بخاری جلد اول ص 494 کتاب الانبیاء

7- نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین ص 249

8- طبقات ابن سعد جلد 4 ص 13

9- مشکوۃ شریف ص 418 باب المفاخر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دشمنوں سے حسن سلوک

کائنات انسانیت ایسی شخصیات سے کبھی خالی نہیں رہی جن کی زندگی کسی نہ کسی حوالے سے لائق ستائش ہی نہیں قابل تقلید اور مشعل راہ بھی ہوتی ہے ۔ وہ حوالہ علم کا ہو یا ادب کا' شجاعت کا ہو یا عفو و درگزر کا' خدمت خلق کا ہو یا جودو سخا کا لیکن تاریخ کی ورق گردانی کے بعد تحقیق و جستجو کے نتیجے میں اور چھان پھٹک کی روشنی میں نہیں بلکہ آفتاب نیمروز کی طرح' چودھویں شب کے مہتاب کی مثل اگر کوئی ہمہ جہت اور اپنی ذات میں انجمن شخصیت نظر آتی ہے تو وہ محبوب رب کائنات' امام المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔ رحمت اللعالمین ﷺ کی حیات طیبہ اس قدر جامع ہے کہ خالق کائنات نے اسے پوری کائنات انسانیت کیلئے ایک بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔

رسول محتشم ﷺ کی حیات مبارکہ کا ہر پہلو روشن اور کامیاب زندگی کا ضامن ہے اور آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ انفرادی ہی نہیں معاشرتی زندگی کو بھی رشک قمر بنا دیتا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جہاں صفت رحمت سے موصوف فرمایا وہاں وہ غصے اور انتقامی جذبات کا بھی حامل ہے۔ اور یہ دونوں صفات اپنے استعمال کے اعتبار سے قابل قدر بھی ہیں اور لائق مذمت بھی۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ غصہ اور جذبات کا اظہار وہاں کیا جاتا ہے جہاں مد مقابل ضعیف اور ناتواں ہو اور جب کسی طاقتور اور سخت جان شخص سے مقابلہ ہو تو حسن سلوک کا رویہ اختیار کیا

جاتا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ مجبوری کے تحت یہ راستہ اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن سرکار دو عالم ﷺ کا اسوہ حسنہ اس سے سراسر مختلف تھا آپ کا مد مقابل کمزور ہوتا یا توانا غریب ہوتا یا امیر، ادنیٰ ہوتا یا اعلیٰ، اپنا ہوتا یا پرایا آپ ﷺ کبھی بھی کسی سے اپنی ذات کے لئے بدلہ نہ لیتے بلکہ ذات خداوندی اور شریعت کی پاسداری ہمیشہ پیش نظر رہتی اور دشمنوں سے بھی حسن سلوک کامظاہرہ فرماتے۔

آپ ﷺ کا حسن سلوک دوستوں اور دشمنوں سے یکساں ہوتا تھا اگر کوئی کلمہ گو اپنی جہالت اور نادانی سے آپ ﷺ سے بدسلوکی کا مرتکب ہوتا تو آپ ﷺ اسے بھی معاف فرما دیتے اور اگر کوئی غیر مسلم آپ ﷺ کو ایذا رسانی کا قصد کرتا تو بھی آپ ﷺ حسن سلوک کامظاہرہ کرتے ہوئے اسے معاف فرما دیتے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ جا رہا تھا کہ آپ ﷺ موٹے حاشیہ والی نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے ایک بدو آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ ﷺ کی چادر کو اس طرح سخت کھینچا کہ چادر پھٹ گئی اور میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی گردن مبارک پر اس کا اثر موجود ہے پھر اس بدو نے کہا کہ آپ کے پاس جو مال ہے اس میں سے میرے لئے حکم دیجئے تو رسول اکرم ﷺ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور اسے عطیہ دینے کا حکم فرمایا (1)

اندازہ کیجئے وہ عظیم شخصیت جس کے نام لیوا اس کے نام پر اپنی گردنیں تک کٹوانے کے لئے تیار رہتے ہیں اور جس کے ایک اشارہ ابرو پر بڑے بڑے سورما ڈھیر کئے جا سکتے ہیں اس قوت و طاقت کے باوجود کس طرح اس نے توہین

آمیز سلوک کرنے والے اس بدو کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ مسکراتے ہوئے اسے مال بھی عطا فرمایا۔ یہ حسن سلوک کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔

غزوہ احد میں کفار نے آپ کے دانت مبارک کو شہید کیا اور آپ ﷺ کے سر انور اور پیشانی مبارک پر بھی زخم آئے لیکن آپ ﷺ نے ان لوگوں سے انتقام لینے کی بجائے بارگاہ خداوندی میں ان کیلئے یوں دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (2) اے اللہ میری قوم کا گناہ معاف فرما دے کیونکہ وہ جانتے نہیں ہیں

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم غزوہ نجد میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے واپسی پر ایک گھنے جنگل میں آپ ﷺ کو دوپہر ہو گئی آپ ﷺ ایک درخت کے سائے میں اترے اور اپنی تلوار اس درخت سے لٹکا دی۔ صحابہ کرام ایک ایک کر کے درختوں کے سائے میں اتر پڑے اسی دوران آپ ﷺ نے ہمیں آواز دی ہم حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بدو آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا ہے آپ نے فرمایا میں آرام کر رہا تھا کہ اس نے آکر میری تلوار کھینچ لی میں بیدار ہوا تو یہ شخص تلوار کھینچے میرے سامنے کھڑا تھا کہنے لگا تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ' یہ سن کر اس نے تلوار نیام میں کر لی اور آپ ﷺ نے اسے کوئی سزا نہ دی۔

اس واقعہ کا بغور جائزہ لیجئے ایک شخص جو آپ ﷺ کا معتقد نہیں بلکہ آپ کا دشمن ہے آپ ﷺ اس کی اس حرکت کا بدلہ لے سکتے ہیں' بالخصوص جب صحابہ کرام بھی وہاں موجود ہیں لیکن آپ ﷺ نے حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے معاف فرما دیا۔ اس حسن سلوک کا ایک پہلو تو وہ ہے جو

ہر شخص کے لئے ظاہر ہے کہ اس آدمی کی جان بچ گئی لیکن اس کا ایک اور پہلو بھی ہے کہ لوگ آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہو کر اسلام کے دامن سے وابستہ ہو جاتے تھے۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ دوس میں دعوت اسلام کے لئے بھیجا انہوں نے واپس آکر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ قبیلہ دوس ہلاک ہو جائے کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور اطاعت سے انکار کر دیا۔ آپ ﷺ ان پر بد دعا کریں۔ صحابہ کرام سوچنے لگے کہ شاید آپ ﷺ بد دعا کریں گے لیکن آپ ﷺ نے یوں دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِھِمْ (3) اے اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور اس کو مسلمان کر کے لا

جب طائف کا محاصرہ اٹھایا گیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں قبیلہ **ثقیف** کے تیروں نے جلا دیا آپ ﷺ ان پر بد دعا کریں لیکن آپ ﷺ نے یوں دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا (4) اے اللہ **ثقیف** کو ہدایت دے۔

منافقین نبی اکرم ﷺ کے سامنے چاپلوسی کرتے مگر پیٹھ پیچھے آپ ﷺ کو اذیت دیتے اور آپ ﷺ کے خلاف منصوبہ بندی کرتے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ انکے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے ان کے لئے استغفار کرتے اور ان کی نماز جنازہ پڑھاتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منع فرما دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں قریش کے ہاتھوں جو مصائب و آلام برداشت کئے وہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں اور کوئی بھی انصاف پسند

اس سے انکار کی جرات نہیں کر سکتا لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے قحط سالی کے موقع پر اہل مکہ کے لئے غلے کی فراہمی جاری کروا دی اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ حضرت ثمامہ بن آثال یمامی ایمان لانے کے بعد نبی اکرم ﷺ کی اجازت سے عمرہ کرنے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے مشرکین میں سے کسی نے کہا کہ تم ہمارے دین سے برگشتہ ہو گئے ہو؟ حضرت ثمامہ نے فرمایا میں نے تمام ادیان سے بہتر دین' دین محمدی ﷺ اختیار کیا ہے خدا کی قسم رسول اکرم ﷺ کی اجازت کے بغیر غلہ کا ایک دانہ تم تک نہ پہنچے گا۔ مکہ مکرمہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا جب یمامہ سے غلہ آنا بند ہوا تو وہاں قحط پڑ گیا قریش نے تنگ آ کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں خط لکھا اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ثمامہ کو لکھا کہ غلہ کی بندش اٹھا دیجئے۔ (5)

رسول اکرم ﷺ کا اپنے دشمنوں سے یہ حسن سلوک دنیائے انسانیت کے سامنے نہ صرف اسوہ رسول کی عظمت کو اجاگر کرتا ہے بلکہ اسلام کی سنیت کا بھی منہ بولتا ثبوت ہے۔

مراجع

1- صحیح بخاری جلد 2 ص 899 کتاب الادب باب الضحک والتبسم

2- مواہب اللدنیہ جلد 1 ص 402

3- صحیح بخاری جلد 2 ص 630 کتاب المغازی

4- سیرت رسول عربی (علامہ نور بخش توکلیؒ) ص 286

5- سیرت رسول عربی ص 300

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عفو و درگزر

بعثت انبیاء کی آخری کڑی رسالت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام ہے یہی وجہ ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو دین کامل عطا کیا گیا یہ دین، جو دین اسلام سے موسوم ہے۔ عقائد و عبادات، معاملات و اخلاقیات، معاشیات و سیاسیات غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے میں انسانیت کی راہنمائی کرتا ہے دن اسلام کا کمال یہ ہے کہ اس میں جہاں امراء کے حقوق کو تحفظ دیا گیا وہاں غرباء کے حقوق کی ضمانت بھی دی گئی ہے۔ چونکہ اسلام محبت اور رواداری کا دین ہے۔ اس لئے نفرتوں اور عداوتوں کا قلع قمع اسلامی منشور کا جزو اعظم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دین اسلام میں عفو و درگزر کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں اس کی تعلیم اور حیات رسول ﷺ میں اس کا عملی نمونہ امت مسلمہ کے لئے خضر راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

انتقامی جذبہ انسانی فطرت میں شامل ہے لیکن اسے کنٹرول نہ کیا جائے تو نہایت بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور معاشرتی زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ غصے پر قابو پانے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ سے ایک صحابی نے وصیت کی التماس کی تو آپ نے فرمایا۔

"غصہ نہ کھاؤ" انہوں نے کئی بار یہ سوال دہرایا تو آپ

ﷺ نے ہر بار یہی جواب دیا (1)

کیونکہ جہاں غصہ بے شمار خرابیوں اور مسلسل عداوت کا بیج بوتا ہے وہاں غصہ پی جانا ان تمام ممکنہ خرابیوں کے سد باب میں ایک کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اسی برداشت کا نام عفو و درگزر ہے۔ اگر کوئی شخص ہم پر زیادتی کرتا ہے گالی گلوچ سے کام لیتا ہے یا کوئی بھی غیر مہذب طریقہ اختیار کرتا ہے تو ہم اس کی اس ناشائستہ حرکت کو نظر انداز کر دیں اس سے بدلہ نہ لیں اور معاف کر دیں تو اس کے نتیجے میں دوسرا فریق اپنے کئے پر نادم ہو سکتا ہے اور یوں معاشرے کا محبت سے بھرپور آشیانہ عداوت کی آگ سے جل کر بھسم ہونے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

کسی کی خطا پر مواخذہ نہ کرنا اور معاف کر دینا عفو و درگزر کہلاتا ہے سرکار دو عالم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، آپ ﷺ پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے اور آپ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخانہ کلمات تک استعمال کئے لیکن اس مرحلہ پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صبرو برداشت سے کام لینے کا حکم دیا ارشاد خداوندی ہے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (2)

"آپ انہیں معاف کر دیں اور درگزر کریں بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

دوسرے مقام پر یوں حکم دیا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ

آپ عفو و درگزر کی راہ اختیار

عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (3) کریں اور نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے اعراض کریں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

"وہ مسلمان جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر کرتا ہے۔ وہ اس مسلمان سے افضل ہے جو لوگوں کے ساتھ مل کر زندگی نہیں گزارتا اور نہ انکی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرتا ہے۔ (4)

چونکہ ہر شخص معاشرے کا ایک فرد ہے بازار ہو یا دفتر، مسجد ہو یا مکتب حالت جنگ ہو یا حالت امن ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنا پڑتا ہے اور انسانی فطرت کے مطابق اونچ نیچ بھی ایک لازمی امر ہے ۔ لہٰذا برداشت سے کام لینا ضروری ہے۔ ورنہ معاشرے کا کوئی فرد بھی پرسکون اور مطمئن نہیں ہو گا۔ بالخصوص اعلیٰ مقاصد کا حصول تو جذبہ عفو و درگزر کے بغیر بالکل ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں تک پیغام خداوندی پہنچانے کے لئے طرح طرح کی تکالیف کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا ۔ انبیاء کرام کے اس وصف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خالق کائنات نے فرمایا۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (5) "تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبر کریں جیسے اولوا العزم رسولوں نے صبر کیا اور انکے لئے جلدی نہ کریں"

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اولوا العزم اور مناصب عالیہ پر فائز لوگ عفو و درگزر کو اپنا شعار بناتے ہیں اور یوں لوگ ان کے گرویدہ ہو کر ان کے عظیم مشن کی تکمیل میں ممدو معاون بنتے ہیں۔ سیرت نبوی میں اس وصف عالی کی جو جھلک نظر آتی ہے تاریخ انسانیت میں اس کی نظیر کا دور دور تک کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں۔

"رسول اکرم ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا' ہاں جب کسی شرعی حکم کی بے حرمتی دیکھتے تو اللہ تعالیٰ کے لئے انتقام لیتے تھے۔" (6)

ہادی دو جہاں رحمت اللعالمین ﷺ کے اس طریق کار سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں اپنی ذات کے حوالے سے معاف کر دینا اور درگزر سے کام لینا قابل ستائش ہے وہاں دین کے معاملے میں نرمی برتنا اور اسلامی احکام کی پامالی کو برداشت کرنا اور اس کے خلاف عملی اقدام نہ کرنا اسلام میں قطعا" ناپسندیدہ اور سنت رسول ﷺ کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ ایک شرعی جرم اور امانت الہیہ میں خیانت ہے۔ کمزور شخص جب ظلم کا بدلہ نہیں لے سکتا تو یقینا" وہ معاف کر دیتا ہے اور ہو سکتا ہے یہ اس کی مجبوری ہو' اور جذبہ انتقام کی آگ اسکے اندر بھڑک رہی ہو لیکن در حقیقت وہ شخص قابل صد ستائش ہے جو انتقام لینے کی ہمت و طاقت کے باوجود معاف کر دیتا ہے سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِیْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ (7)

"پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو بچھاڑ دے بلکہ اصل پہلوان تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے"

چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ نے خود اپنے اس ارشاد گرامی پر عمل کر کے دکھایا۔ جب آپ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر نہایت شان و شوکت اور ایک لشکر جرار کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے خلاف سازش تیار کرنیوالے اور آپ ﷺ کو مصائب و آلام میں مبتلا کرنیوالے قریش مکہ شکست خوردہ حالت میں آپ ﷺ کے سامنے موجود تھے تو اس کے باوجود کہ آپ ﷺ ان سے انتقام لے سکتے تھے انکو تہہ تیغ کر سکتے تھے' خون کی ندیاں بہا سکتے تھے لاشوں کے ڈھیر لگا سکتے تھے لیکن آپ ﷺ نے عفو و درگزر کی وہ مثال پیش کی جسے تاریخ انسانیت کبھی بھلا نہیں سکے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (8) " آج تمہارا کوئی مواخذہ نہیں ہو گا جاؤ تم آزاد ہو"

جب رسول اکرم ﷺ اسلام کا پیغام رحمت لے کر طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے راہ راست پر آنے کی بجائے آپ ﷺ کو اس قدر اذیت دی کہ آپ ﷺ کے نعلین مبارک خون آلود ہو گئے۔ اس وقت اگرچہ آپ ﷺ بظاہر بے سروسامان اور بے یارومددگار تھے لیکن در حقیقت آپ ﷺ ان لوگوں سے انتقام لے سکتے تھے۔ صحیح بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق پہاڑوں کے فرشتوں نے آپ ﷺ کو عرض کیا۔

"اے محمد ﷺ آپ چاہیں تو ہمیں حکم دیں تو ہم ان پر اخشین پہاڑ الٹ دیں"۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا

"میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ہلاک ہو جائیں بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے بندے پیدا کرے گا جو ..

صرف خدا کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو
شریک نہیں ٹھہرائیں گے"۔ (9)

اگر ہم معاشرتی انتشار اور بغض و عداوت کے جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اپنے معاشرے کو پرسکون بنانے کے خواہاں ہیں تو اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر اور خاتم النبین ﷺ کی تعلیمات و سیرت کو اپنا کر ہی یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔

مراجع

1- صحیح بخاری جلد 2 ص 903

2- قرآن مجید 13'5

3- " " 199'7

4- مشکوۃ شریف ص 432 باب الرفق والحیاء وحسن الخلق

5- قرآن مجید 35'46

6- مشکوۃ شریف ص 519 باب فی اخلاقہ و شمائلہ

7- صحیح مسلم جلد 2 ص 326 کتاب البر والصلۃ

8- سیرت رسول عربی ص 208

9- مشکوۃ شریف ص 523 باب المبعث وبدء الوحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدمت خلق

یوں تو ہر مخلوق اپنے ایام زندگی کسی نہ کسی صورت میں گزارنے کے بعد اس فانی دنیا سے کنارہ کش ہو جاتی ہے لیکن انسانی زندگی چونکہ فہم و شعور کے تحت گزرتی ہے اس لئے اسے برے بھلے، نفع نقصان اور خیر و شر کے درمیان اختیار دیا گیا یہی اس کا امتحان ہے اور اسی پر اس کی اخروی زندگی کا دارومدار ہے۔

اگر وہ حسن اختیار کی بجائے سوء اختیار سے کام لیتا ہے تو اس کی زندگی حیوانات کی زندگی سے بھی بدتر ہے ارشاد خداوندی ہے

اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ وہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے (1)

کیونکہ حیوان فہم و ادراک اور عقل و شعور کی دولت سے عاری اور انسان ان صفات جمیلہ سے مزین ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنے خالق و مالک کی طرف سے دئے گئے اختیارات کو صحیح استعمال کرتا ہے اور نقصان پر نفع، شر پر خیر اور برے پر بھلے کو ترجیح دیتا ہے تو یہ اس کی تابندہ زندگی کی علامت ہے۔

ایمان لانے کے بعد ایک مومن قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا پابند ہوتا ہے اسی میں اس کی بھلائی ہے اور یہی اس کی فلاح اور نجات کا ضامن ہے۔ یہی وہ طریق زندگی ہے جسے اختیار کرنے سے حیات مومن کا ہر پہلو تابندہ، تابناک اور قابل صد ستائش بن جاتا ہے۔ یوں تو مومن کی زندگی کا ہر پہلو

تابندہ ہوتا ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ﷺ کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھلا ہوا اور اتباع رسول کا عملی نمونہ ہو لیکن ان تمام پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو خدمت خلق ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بنیادی طور پر معاشرتی زندگی کا محتاج ہے اور اس کا خوگر بھی ۔ کیونکہ انسانی جسم کی ساخت و پرداخت اس انداز پر استوار ہے کہ وہ زندگی سے متعلق تمام امور کو تنہا انجام دینے کا متحمل نہیں ہو سکتا اس لئے اسلام نے معاشرتی زندگی کی ضرورت و اہمیت اوراس کے آداب سے متعلق جس قدر راہنمائی کی ہے شاید ہی کہیں اور اس طرح بھرپور انداز میں اس کا ذکر کیا گیا ہو۔

دنیا میں بسنے والے انسان چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم اپنی ضروریات زندگی کے حصول کے لئے دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں اسی لئے حقوق اللہ کی نسبت حقوق العباد کی ادائیگی کو اولیت دی گئی اور اسے صرف اخلاقی فرض کی حد تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ ہر مسلمان کی ذمہ داری قرار دیا گیا اور اس سلسلے میں ترغیب و تحریص کے مختلف انداز اختیار کئے گئے جیسے سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ (2)

" اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہ بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

اس حدیث شریف میں ایک جامع اصول دے کر بتایا گیا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ مشکل وقت میں تمہارے کام آئیں تو تم دوسروں کی مشکلات میں ان کے مدد گار بنو' اگر تم چاہتے ہو کہ بھوک کے وقت کوئی تمہیں کھانا کھلائے تو تم بھی بھوکوں کو کھانا کھلاؤ ، اگر تم چاہتے ہو کہ بیماری کی صورت میں لوگ تمہاری تیمارداری اور بیمار پرسی کریں تو تم بھی معاشرے کے بیمار افراد کی عیادت کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرو۔

گویا خدمت خلق کے سلسلے میں یہ حدیث نہایت جامع ہے اور اس پر عمل کر کے معاشرے کا ہر فرد آڑے وقت کے لئے اپنا مونس و غمخوار تلاش کر سکتا ہے۔ بلکہ اس کے ذریعے قرب خداوندی کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہو سکتا ہے یوں تو ہر انسان کسی نہ کسی مشکل میں دوسروں کا محتاج ہوتا ہے لیکن وہ لوگ جو غربت و افلاس کی چکی میں پس رہے ہوں یا بے یار و مددگار اور بے سہارا ہوں ان کی خدمت کرنا خالق کائنات کو کس قدر پسند ہے حبیب رب کائنات اس سلسلے میں یوں رہنمائی فرماتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" خاوند کے سہارے سے محروم عورت اور مسکین کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے محنت و مشقت کرنے والا شخص اس مسلمان کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا

"یہ آدمی اس شخص کی طرح ہے جو رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور اس میں کوتاہی نہیں کرتا۔ اور اس شخص کی طرح ہے جو مسلسل روزے رکھتا ہے (3)

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک دوسرے مسلمان کو بھائی نہ سمجھا جائے اور اس کے دکھ کو اپنا دکھ اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف اس کی پریشانی کو اپنی پریشانی نہ سمجھا جائے۔ اس وقت تک اس کے دکھوں کا مداوا اور اس کی پریشانیوں کا ازالہ کیسے کیا جا سکتا ہے اور کس طرح اس کے مسائل کو حل کرنے کی طرف توجہ دی جا سکتی ہے اس لئے قرآن پاک نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا تا کہ خدمت خلق کا سمندر عبور کرنا آسان ہو جائے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (4) بلا شبہ مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں

اور رحمت عالم ﷺ نے تمام مومنوں کو ایک جسم کی طرح قرار دے کر خدمت خلق کی راہ ہموار کی ہے آپ نے ارشاد فرمایا

> تم مومنوں کو ایک دوسرے پر رحم کرنے باہم محبت کرنے اور ایک دوسرے پر مہربانی کرنے کے سلسلے میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے کہ جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو تمام جسم بے خوابی اور بخار کا شکار ہو جاتا ہے (5)

باہمی ہمدردی کے سلسلے میں یہ ایک نفیس **تشبیہ** ہے اس لئے کہ جب اعضائے انسانی کی طرح ایک مسلمان کی محتاجی پریشانی اور تکلیف پر دوسرے مسلمان تڑپ اٹھیں اور وہ بھی پریشانی کا شکار ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس کی ضروریات کو پورا کرنے اور اس کی کشتی کو گرداب بلا سے نکالنے میں ممد و معاون نہ ہوں۔

خدمت خلق کے سلسلے میں دو باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے ایک یہ

کہ خدمت کے میدان بے شمار ہیں اور دوسرا یہ کہ خدمت کے اعتبار سے مخلوق مختلف درجات میں تقسیم ہے۔

جہاں تک خدمت کے میدانوں کا تعلق ہے تو معاشرہ جس جس بات کی ضرورت محسوس کرتا ہے ہم میں سے ہر شخص اپنی حیثیت اور منصب کے مطابق ان ضروریات کو پورا کر کے خدمت خلق کا فریضہ انجام دے سکتا ہے مالدار اپنے مال کے ذریعے بھوکوں کو کھانا پیاسوں کو پانی بیماروں کو دوا' نادار طلباء کو کتب' ضرورت مندوں کو لباس' بے سایہ کو چھت کا سایہ مہیا کرے۔ جاہ و مرتبہ کی دولت سے مالا مال شخص کی ذمہ داری ہے کہ استحصال کے خاتمے' ظلم کے انسداد' مظلوم کی دادرسی اور طبقاتی منافرت کے قلع قمع کے ذریعے خلق خدا کی خدمت کرے۔ علم و عرفان کی سعادتوں سے بہرہ مند مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اصلاح خلق کا فریضہ انجام دے اپنے علم کو مثبت انداز میں بروئے کار لاتے ہوئے جہالت کی پستی میں گری ہوئی انسانیت کو رفعتوں کے مینار سے ہمدوش کر دے اور شیطان کے جال میں پھنسی ہوئی مخلوق کو محبت رحمٰن کی آزاد فضا میں سانس لینے کے مواقع فراہم کرے۔

منصب رشد و ہدایت پر فائز مومن خدمت خلق کا فریضہ یوں انجام دے سکتا ہے کہ حرص و آز' تکبر و نخوت' بغض و کینہ اور حسد و عداوت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسان کو یاد آخرت کے ذریعے راہ راست پر لانے کی بھرپور سعی کرے۔ ارباب قلم کا قلم محبتوں کے بیج بوئے' نفرتوں کے کانٹوں سے قوم کی کھیتی کو پاک صاف کر دے اور معاشرتی امن و سکون کو تہہ و بالا ہونے سے بچائے۔

خدمت خلق کے سلسلے میں دوسرا پہلو تقسیم درجات ہے۔ قرابتداری بالخصوص ماں

باپ کی خدمت سب سے مقدم ہے اس کے بعد دیگر رشتہ دار حسب مراتب استحقاق کی خدمت رکھتے ہیں ۔ اسی طرح پڑوسی ' اہل محلہ غرضیکہ ہر شخص کی خدمت اس کے حسب مرتبہ اور قربت کے حوالے سے کی جائے ۔ سرکاردوعالم ﷺ نے خدمت خلق کو محبت خداوندی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ (6)

"مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور مخلوق میں وہ شخص اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے جو اس کے کنبے سے حسن سلوک کرتا ہے"

اس حقیقت سے راہ فرار اختیار کرنا ناممکن ہے کہ اگر قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق خلق خدا کی خدمت کیجائے۔ ان کی ضرورتوں اور حاجات کو پورا کیا جائے۔ ان کو پر سکون زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کیے جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا معاشرہ ایک قابل رشک معاشرے کی صورت اختیار نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار فرمائے اور اس پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین

مراجع

-1	قرآن مجید	179'7
-2	مشکوۃ شریف	ص 422 باب الشفقتہ والرحمتہ علی الخلق
-3	"	" " " " "
-4	قرآن مجید	10'49
-5	مشکوۃ شریف	ص 422 باب الشفقتہ والرحمتہ علی الخلق
-6	"	" 425 " " "

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میانہ روی اور بردباری

دولت ایمان سے مالا مال ہونے کے بعد مومن کی حیات و ممات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی تعلیمات و احکام کے تابع ہو جاتی ہے اس کے ایمان کا تقاضا ہے کہ اس کی حیات فانی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک گھڑی قرآنی ہدایات کے تابع اور اسوہ رسول اکرم ﷺ کے رنگ میں رنگی ہوئی ہو اور اس کی موت بھی حکم شریعت اور منشائے خداوندی کے مطابق ہو زندگی کے بکھیڑوں اور مشکلات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فطری اور غیر شرعی طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ یہی اسلام ہے اور یہی دین فطرت کہلاتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (1)

پس آپ اپنا رخ پوری یکسوئی کے ساتھ دین اسلام کی طرف کر لیں اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑیں جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتا یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرۃ اللہ کا معنی دین اسلام بیان فرمایا ہے۔ صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دین عقل سلیم سے کلیتاً ہم آہنگ اور فہم صحیح کے عین مطابق ہے اس لئے فطری پور پر انسان نہ اس سے منہ موڑ سکتا ہے اور نہ ہی اس کا انکار کر سکتا ہے" (2)

حیات مومن کا ایک درخشندہ بلکہ کلیدی پہلو میانہ روی ہے اور بردباری بھی اسی طرز حیات کا دوسرا نام ہے۔ میانہ روی کی اہمیت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ افراط و تفریط فطرت کے خلاف اور میانہ روی اور اعتدال پر مبنی زندگی ہی فطرت کے عین مطابق ہے اس میں حسن کائنات پنہاں ہے اور یہی طرز حیات امن و سکون کی ضمانت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (3) — اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا

وسط کا لفظ ذکر فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ہر چیز کا درمیان ہی اس کا عمدہ ترین حصہ ہوا کرتا ہے انسان زندگی کا درمیان والا عرصہ یعنی عہد شباب اس کی زندگی کا بہترین حصہ ہوتا ہے دن کے درمیانے حصے یعنی دوپہر کے وقت روشنی اپنے نقطہ عروج پر ہوتی ہے اسی طرح اخلاق اور بودو باش میں بھی میانہ روی ہی قابل تعریف ہے اور افراط و تفریط دونوں پہلو قابل مذمت ہیں۔

عقائد و عبادات اور اخلاقیات و معاشیات غرضیکہ ہر کام میں میانہ روی اور اعتدال ہی فطرت کے عین مطابق ہے اور یہی عظمت انسانی کا آئینہ دار ہے۔ نبی

اکرم ﷺ نے بھی تمام امور میں میانہ روی کو ہی بہترین قرار دیا آپ نے فرمایا۔

خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُهَا (4) بہترین امور وہ ہیں جن میں اعتدال اور میانہ روی ہو۔

جس طرح انسان کا ظاہری حسن تمام اعضاء کے حسن و اعتدال کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اسی طرح اس کا باطنی حسن جسے خلق کہا جاتا ہے اس وقت تک درجہ تکمیل کو نہیں پہنچتا جب تک اس کے چار باطنی ارکان برابر برابر اعتدال پر نہ ہوں۔

حکمت، شجاعت، عفت اور عدل اخلاقیات کے بنیادی اصول ہیں جب یہ چار اصول حالت اعتدال پر ہوں تو انسان اخلاق جمیلہ کی صفت سے موصوف ہوتا ہیں جب انسان کی عقل اعتدال پر ہو تو اسے حسن تدبیر، جرات، ذہنی پختگی اور اسی طرح کی دیگر صفات حسنہ حاصل ہوتی ہیں جبکہ عقل افراط و تفریط کا شکار ہو جائے اور اس کے استعمال میں میانہ روی اور اعتدال کا خیال نہ رکھا جائے تو افراط کی صورت میں دھوکہ بازی اور مکروفریب پیدا ہوتا ہے اور تفریط کی صورت میں یعنی جب عقل کے استعمال کو بالکل ترک کردیا جائے تو بیوقوفی اور پاگل پن جیسی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

یوں سمجھیں کہ عقل کو بصورت افراط استعمال کرنے والے افراد مکار اور دھوکے باز ہونے کی وجہ سے دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں جب کہ عقل کے دامن کو ہاتھ سے بالکل چھوڑ دینے والے اپنے حقوق کے حصول سے بھی محروم رہتے ہیں اور مکروفریب کا شکار ہو جاتے ہیں۔

لیکن استعمال عقل میں میانہ روی اور اعتدال کی راہ اختیار کی جائے تو نہ انسان کسی دوسرے کو دھوکہ دیتا ہے اور نہ ہی کسی کے مکروفریب کے جال میں پھنستا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوت و طاقت کا وصف بھی عطا فرمایا لیکن یہ اسی وقت مفید اور قابل ستائش ہو سکتا ہے جب اسے اعتدال پر رکھا جائے اور یہی صورت شجاعت کہلاتی ہے۔ اگر قوت کا استعمال افراط کی صورت میں ہو تو ظلم و زیادتی کا باعث ہوتا ہے اور اس سے تکبر اور خود پسندی جیسے اخلاق بد جنم لیتے ہیں اور تفریط سے کام لیتے ہوئے طاقت کا استعمال بالکل چھوڑ دیا جائے تو انسان بزدل ہو جاتا ہے اور کارگاہ حیات میں ذلت، رسوائی اور خساست اس کا مقدر بن جاتی ہے حتی کہ وہ اپنا جائز حق بھی نہیں لے سکتا۔

اس لئے بدنی قوت کو اعتدال پر رکھا جائے تو نہ کسی ہر ظلم و زیادتی کا ارتکاب ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے حقوق سے محرومی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو صفت عفت بھی عطا فرمائی ہے لیکن یہ صفت بھی اسی صورت میں نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہے جب میانہ روی کی راہ اختیار کی جائے اگر اعتدال کی راہ سے منہ موڑتے ہوئے اس صفت کو افراط و تفریط کا شکار بنایا جائے تو حرص، لالچ اور حسد جیسی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور ایسا شخص مالدار لوگوں کے سامنے جھکتا اور ذلیل و رسوا ہوتا ہے جب کہ غربا و مساکین اور معاشرے کے پسماندہ افراد کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

انسان کھانے پینے کی خواہش سے نوازا گیا ہے لیکن اس سلسلے میں وہ اپنے توازن کو اسی صورت میں قائم رکھ سکتا ہے۔ جب اعتدال کی شاہراہ پر گامزن ہو اگر

کھانے کی خواہش کو کنٹرول نہ کیا جائے تو بسیار خوری کے باعث ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے یا مختلف قسم کی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے اور کھانے کی خواہش بالکل ختم ہو جائے تو یہ بھی بجائے خود ایک بیماری ہے جس کا نتیجہ ایک بے معنی زندگی یا موت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے انسان میں غصہ بھی رکھا گیا لیکن اس کے استعمال کو بھی میانہ روی اور اعتدال کے دائرے میں رکھنے کا حکم ہے اگر غصہ بر محل نہ ہو تو قابل مذمت ہے اور اپنے مقام پر ہو تو قابل تعریف ہے صحابہ کرام کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (5) — وہ (صحابہ کرام) کفار پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ وہ نہ تو غصے کو بالکل ترک کرتے ہیں اور نہ ہی رحمت کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑتے ہیں بلکہ وہ میان روی اختیار کرتے ہوئے سختی اور نرمی دونوں کو اپنے اپنے محل میں استعمال کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّمَا مُحَمَّدٌ بَشَرٌ يَغْضِبُ كَمَا يَغْضِبُ الْبَشَرُ (6) — اے اللہ بے شک! محمد ﷺ ایک انسان ہیں جس طرح دوسرے لوگوں کو غصہ آتا ہے اسی طرح ان کو بھی غصہ آتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کبھی نبی اکرم ﷺ کے سامنے کوئی ناپسندیدہ بات کی جاتی تو آپ کو غصہ آ جاتا حتیٰ کہ آپ کا چہرہ انور سرخ ہو جاتا لیکن آپ حق بات ہی فرماتے اور آپ کا غصہ آپ کو حق بات کہنے میں رکاوٹ نہ

بنتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے خاص بندوں کی تعریف میں یہ تو فرمایا کہ وہ غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں لیکن یہ نہیں فرمایا کہ وہ غصے سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (7) اور غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے۔

کیونکہ غصہ نہ ہو تو حکمران حکومت نہیں چلا سکتا، اسلام کا تحفظ نہیں ہو سکتا، بچوں کی تعلیم و تربیت نہیں ہو سکتی اور اگر غصہ ہی غصہ ہو جذبہ رحمت نہ ہو تو معاشرے میں فساد برپا ہو جائے۔

اسی طرح دولت کے حصول میں لالچ اور حرص شامل ہو جائے تو حرام کا ارتکاب ہو جاتا ہے اور اگر حصول دولت سے بالکل کنارہ کشی اختیار کی جائے تو معاشرے کے سامنے دست سوال دراز کرنا پڑتا ہے۔

بنابریں اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ہر کام میں میانہ روی اور اعتدال ہی کامیابی کا ضامن ہے یہی فطرت ہے اور یہی دین اسلام کا تقاضا ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر کام میں میانہ روی اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ثم آمین

مراجع

1- قرآن مجید 30 ´30

2- تفسیر روح المعانی جلد 4 ص 36

3- قرآن مجید 143 ´2

4- بیہقی فی شعب الایمان جلد 5 ص 261

5- قرآن مجید 29 ´48

6- مسند احمد بن حنبل جلد 2 ص 493

7- قرآن مجید 134 ´3

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدمت خلق اور نفلی عبادت

انسانی فلاح کا دار و مدار اس مقصد کی تکمیل میں مضمر ہے جسے خالق کائنات نے اس کی تخلیق کا باعث قرار دیا۔ ارشاد خداوندی ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (1) اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا۔

عبادت کسی کی غلامی کرنا، اس کا حکم ماننا اور اس کے سامنے خشوع و خضوع کا اظہار کرنا ہے، اصطلاحا عبادت چند مخصوص اعمال کا نام ہے جو بظاہر حقوق اللہ کے زمرے میں آتی ہیں اگرچہ ان کا مقصد اور فلسفہ، معاشرتی زندگی کو بگاڑ سے بچانا اور مخلوق خدا کی خدمت کرنا ہے۔

لیکن عبادت کا لغوی معنی اپنے مفہوم کی وسعت کے اعتبار سے ہر اس عمل کو شامل ہے جو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول ﷺ کے حکم اور منشاء کے مطابق ہو وہ عمل وجودی ہو یا عدمی، مقصد یہ ہے کہ کسی کام کے کرنے سے تعمیل حکم خداوندی ہو یا کسی کام سے رک جانا اطاعت خداوندی کا موجب ہو۔ وہ عبادات جن کا تعلق براہ راست اللہ تعالٰی کی ذات سے ہے، اور ان کی ادائیگی ضروری ہے ۔ جیسے فرض نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ ان سے صرف نظر کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور جب تک ان کو بجا نہ لایا جائے مسلمان اپنی ذمہ داری سے

عہدہ برآ نہیں ہو سکتا اور یہ فرائض قرب خداوندی کا سب سے اہم ذریعہ ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ (2) میرے کسی بندے کا فرائض عبادات کے مقابلے میں کسی دوسرے طریقے پر میرا قرب حاصل کرنا مجھے زیادہ پسند نہیں

گویا قرب خداوندی کا سب سے اہم اور بنیادی ذریعہ فرائض کی ادائیگی ہے لیکن جہاں یہ عبادات قرب خداوندی اور ذکر خالق کا باعث ہیں وہاں ان عبادات کے ذریعے مخلوق خدا پر شفقت اور ان کی خدمت کا درس بھی ملتا ہے مثلاً نماز بے حیائی اور برائی کے راستوں کو مسدود کر دیتی ہے ارشاد خداوندی ہے

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (3) بے شک نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے۔

گویا نماز کی ادائیگی اگر محض رسماً" نہ ہو حکم خالق سمجھ کر کی جائے تو اس سے جہاں نماز پڑھنے والا بارگاہ خداوندی میں قرب حاصل کرتا اور نماز کے دیگر فوائد سے متمتع ہوتا ہے وہاں وہ ایک پاکیزہ معاشرے کی تشکیل میں بھی ممد و معاون ہو سکتا ہے اسی طرح روزہ جہاں قہرالنفس کا کام دیتا ہے اور انسان میں صبر و تحمل اور نظم و ضبط کے جذبات پیدا کرتا ہے وہاں اسے ان مفلوک الحال لوگوں کی خدمت کا درس بھی دیتا ہے جو دو وقت کی روٹی کو ترستے ہیں اور جن کے معصوم بچے ان کی آنکھوں کے سامنے بھوکے پیاسے تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں۔

بنابریں اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نماز، روزہ، زکوۃ ا

حج کو صرف اس لئے فرض نہیں کیا کہ ان عبادات کو تو پابندی سے ادا کیا جائے لیکن معاشرے کی فلاح و بہبود سے کوئی سروکار نہ ہو اور دوسروں کی عزت مال اور جان کے تحفظ کو کوئی اہمیت نہ دی جائے۔ بلکہ ان عبادات کا بنیادی فلسفہ بھی یہی ہے کہ خدمت خلق کو شعار بنایا جائے سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے حکمت بھرے ارشادات میں خدمت خلق کو نہایت و ضاحت سے بیان فرمایا اور امت مسلمہ کو اس کو ترغیب دی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ	تمام مومن ایک آدمی کی طرح ہیں
اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ	اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہو تو
وَاِنِ اشْتَكٰى رَاْسُهٗ اشْتَكٰى	پورے جسم میں تکلیف ہوتی ہے
كُلُّهٗ (4)	اور اگر اس کے سر میں درد ہو تو
	پورے جسم میں درد ہوتا ہے۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ایک عضو کی تکلیف پورے جسم انسانی کو تکلیف میں مبتلا کر دیتی ہے اسی طرح ایک شخص کی پریشانی ' غربت و افلاس اور بے چارگی پورے معاشرے کے دل و دماغ اور سوچ پر اثر انداز ہونی چاہیئے اور ان سب کو اس کے ازالے کے لئے کوشش کرنی چاہیے

عبادت اور خدمت خلق کا چولی دامن کا ساتھ ہے چنانچہ امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کے وقت صحابہ کرام جہاں عبادات کی ادائیگی کا عہد کرتے تھے وہاں مسلمانوں کی خیر خواہی اور بھلائی کا وعدہ بھی کرتے تھے ۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔

بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَلٰی اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ (5)	میں نے رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک پر نماز قائم کرنے زکوۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی کی بیعت کی

نصیحت، خیر خواہی کا نام ہے۔ دوسروں کے مسائل و مشکلات کو حل کرنا اوران سے تکالیف کا ازالہ کرنا ان کی خیر خواہی ہے۔ حدیث پاک میں مسلمانوں کی خیر خواہی کو نماز اور زکوۃ کے ساتھ جو فرض عبادتیں ہیں ذکر کر کے خدمت خلق کی اہمیت اور فرضیت کو واضح کیا گیا ہے۔

اسلام میں نفلی عبادت بھی تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے اورجب انسان مسلسل نوافل میں مشغول رہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے ایک حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ (6)	بندہ مسلسل نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ میرا محبوب بن جاتا ہے۔

نفلی عبادت کی اہمیت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس میں بندے کو اختیار ہوتا ہے جبکہ فرائض میں وہ تعمیل ارشاد خداوندی کا پابند ہوتا ہے لہذا نفلی عبادت چاہے وہ نماز کی صورت میں ہو یا صدقات و خیرات کی صورت میں بندے کے خلوص کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے خدمت خلق کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش رات بھر نماز میں قیام اور مسلسل روزہ رکھنے کی طرح قرار دیا۔ حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیوہ یا غیر شادی شدہ عورت اور مسکین کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے محنت و مشقت کرنے والا آدمی اس شخص کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں محنت کرتا ہے راوی فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپ نے فرمایا وہ اس عبادت گذار کی طرح ہے جو رات بھر عبادت کرتا ہے اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا اور اس روزے دار کی طرح ہے جو روزہ نہیں چھوڑتا یعنی بکثرت روزے رکھتا ہے۔ (7)

جب یہ بات واضح ہو گی کہ فرض عبادت کا فلسفہ بھی خدمت خلق کی راہ دکھانا ہے اور غرباء و مساکین اور بے سہارا لوگوں کی ضروریات کے لئے محنت و مشقت کرنا بھی رات بھر کی عبادت اور عمر بھر کے روزے کی طرح ہے تو اس بات کو سمجھنا آسان ہو گیا کہ جب خدمت خلق کے سلسلے میں ہمیں کوئی ذمہ داری نبھانا ہو اور ہم اس وقت نفلی عبادت بھی کرنا چاہتے ہوں تو اس صورت میں خدمت خلق کو ترجیح دینا ہوگی کیونکہ مخلوق محتاج ہے اور ضرورت مند ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اغراض اور فوائد سے پاک ہے اس نے جو عبادات فرض کی ہیں ان کا مقصد بھی بندوں کو ایک دوسرے کی خدمت کے لئے تیار کرنا ہے لہٰذا منشاء خداوندی یہی ہے کہ ایسے موقع پر مخلوق خدا کی خدمت کو ترجیح دی جائے اور جو وقت بچ جائے اسے نفلی عبادت پر صرف کیا جائے۔ البتہ فرض عبادات کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی عبادت اور اپنی مخلوق کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے _ آمین ثم آمین

مراجع

-1	قرآن مجید	56 ' 51
-2	مشکوۃ شریف	ص 197 باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ
-3	قرآن مجید	45 ' 29
-4	مشکوۃ شریف	ص 422 باب الشفقتہ والرحمتہ علی الخلق
-5	" " "	ص 423 " " "
-6	" "	ص 197 باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ
-7	" "	422 باب الشفقتہ والرحمتہ علی الخلق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید حاکم ہے

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ‌ اسی طرح ہم نے اس (قرآن پاک) کو فیصلہ کرنے والا (حاکم) بنا کر عربی زبان میں اتارا (1)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانی ہدایت کے لئے جتنے صحیفے اور کتابیں نازل ہوئیں ان سب میں قرآن پاک کو اس اعتبار سے امتیازی مقام حاصل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام اور عالمگیر ضابطہ حیات ہے۔

قرآن پاک ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی' ذکر بھی ہے اور تذکرہ بھی' بیان بھی ہے اور ترجمان بھی' شفاعت بھی ہے اور شفاء بھی بلکہ یہ وہ نسخہ کیمیا ہے جو تمام دکھوں کا مداوا' تمام غموں کا ازالہ اور تمام بیماریوں کا علاج ہے۔

عقیدہ وہی معتبر ہے جو یہ بتائے' عبادت وہی قابل اعتبار ہے جو یہ بیان کرے' اخلاق وہی قابل قبول ہیں جن کی تعلیم یہ دے' معاشرت وہی قابل تعریف ہے جس کی تصدیق یہ کرے اور معیشت وہی طیب و طاہر ہے جس پر اس کی مہر ثبت ہو۔

اسی قرآن کے دامن سے وابستگی ذریعہ نجات اور اسی کا فیصلہ عدل و انصاف کا ضامن ہے بلکہ یوں کہا جائے تو اعتراف حقیقت ہو گا کہ بام رفعت تک رسائی اسی سے ممکن اور اس سے لاتعلقی' ذلت و نکبت کی اتھاہ گہرائی میں گرنے کا

باعث ہے۔

یہ حقیقت اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا خالق و مالک ہے اس لئے وہی زمین و آسمان بلکہ تمام کائنات کا حاکم مطلق ہے اسی کا حکم نفاذ و قبول کے لائق اوراسی کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے یہی اسلام ہے اور اسی میں سلامتی کا راز مضمر ہے۔

حاکم حقیقی صرف وہی ذات ہے اور انسان خلافت الٰہیہ کا امین ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ (2)	حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے اور وہ حق فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم اور فیصلہ اپنے دامن میں حسن و جمال کے جو پھول لئے ہوئے ہے ان کا حصول کہیں اور ممکن نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (3)	تو کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ تلاش کرتے ہیں اور یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے بڑھ کر کس کا فیصلہ اچھا ہو سکتا ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کے نفاذ کے لئے قرآن پاک اور نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنا ترجمان بنایا لہٰذا احکام شریعت قرآن پاک کے واسطہ سے آئیں یا سنت رسول ﷺ کے ذریعے سے، درحقیقت یہ احکام اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہیں۔ قرآن پاک کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (4) اور اسی طرح ہم نے قرآن پاک کو فیصلہ بنا کر عربی زبان میں اتارا

حضرت امام صاوی مالکی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وَ انْزَلْنَاہُ حَاکِمًا بَیْنَ النَّاسِ بِلُغَۃِ الْعَرَبِ (5) اور ہم نے قرآن پاک کو عربی زبان میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا حاکم بنا کر نازل کیا۔

وہ فرماتے ہیں چونکہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا ترجمان ہے اس اعتبار سے اس کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری ہے اس لئے حکم کی نسبت قرآن پاک کی طرف کر دی گئی۔ گویا قرآن کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے جس طرح رسول اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا

وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (6) جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی

تو جب قرآن مجید حاکم ہے تو وہی فیصلہ درست ہو گا جو قرآن پاک کے ذریعے بتایا گیا' عقائد ہوں یا عبادات ' اخلاقیات ہوں یا معاملات ' معاشیات ہوں یا سیاسیات ' ان تمام کے حسن و قبح کو جانچنے کے لئے قرآن پاک ایک کسوٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔

مشرکین مکہ نے کچھ جانوروں کو اپنی مرضی اور خواہش کے تحت حرام قرار دے کر ان پر سواری کرنا ' ان کا دودھ استعمال کرنا اور ان کا گوشت کھانا ممنوع قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شدید مذمت کرتے ہوئے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ	آپ فرما دیجئے جو کچھ میری طرف
مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُہٗٓ اِلَّآ اَنْ	وحی کیا جاتا ہے میں اس میں کسی
یَّکُوْنَ مَیْتَۃً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا	کھانے والے پر حرام نہیں پاتا مگر یہ
اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّہٗ رِجْسٌ	کہ وہ مردار ہو یا بہنے والا خون یا
اَوْ فِسْقًا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ	خنزیر کا گوشت کہ یہ ناپاکی ہے یا
(7)	نافرمانی کرتے ہوئے ذبح کرتے وقت
	اس (جانور) پر غیر خدا کا نام بلند کیا
	جائے۔

اس آیت کریمہ میں مشرکین مکہ پر واضح کیا گیا کہ حلال و حرام کا اختیار تمہارے پاس نہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام فرمایا ان کا ذکر قرآن پاک میں کر دیا ہے جن جانوروں کو تم حرام قرار دیتے ہو ان کا ذکر قرآن پاک میں کہاں ہے قرآن پاک تو صرف ان جانوروں کو حرام قرار دیتا ہے جن پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے یعنی تکبیر نہ پڑھی جائے اگر وہ جانور پہلے سے حلال ہے تو محض تمہارے کہنے سے حرام نہیں ہو گا بلکہ اس کے لئے قرآن پاک سے دلیل دینا ہو گی کیونکہ قرآن پاک ہی فیصل ہے ۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بیان کر دیا کہ جب بھی کوئی شخص کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو قرآن پاک سے فیصلہ لے لو (یا حدیث میں دیکھو)

جو لوگ قرآن پاک کو حاکم قرار نہیں دیتے ۔ انہیں فاسق ، ظالم اور کافر قرار دیا گیا ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (8)
اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے ساتھ فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔

اور رسول اکرم ﷺ کو اسی کے ساتھ فیصلہ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (9)
پس آپ اس حکم کے ساتھ فیصلہ فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں قرآن پاک کو ایک ضابطہ حیات اور حکم قرار دیتے ہوئے اس کے فیصلوں پر عمل درآمد کو لازمی قرار دیا وہاں اس کی من مانی تاویلوں کا دروازہ بند کرتے ہوئے اس کی تشریح و توضیح کا منبع بھی وحی کو قرار دیا اور یہ اختیار اپنے نبی ﷺ کو سونپا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (10)
اور ہم نے آپ پر ذکر یعنی قرآن پاک نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ بات بیان کریں جو ان کے لئے نازل کی گئی۔

گویا قرآن اور صاحب قرآن دونوں کے دامن سے وابستگی کو لازم قرار دیا گیا اور قرآن پاک کی تشریح و تفسیر کے سلسلے میں سنت نبوی کو معیار بنایا گیا۔ اور یہی نہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو صرف شارح اور مفسر بنانے پر اکتفا فرمایا بلکہ آپ کو بھی حاکم مطلق نے حاکم بنام کر بھیجا اور آپ کے فیصلوں کو لازم قرار دیا ارشاد خداوندی ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (11)	اور اے محبوب ! آپ کے رب کی قسم یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ بنائیں۔

گویا ایمان کا دار و مدار جہاں قرآن مجید کے فیصلوں کو تسلیم کرنے پر ہے اور اس سے روگردانی کفر کی علامت ہے اسی طرح جب تک حاکم حقیقی کے ترجمان حضرت محمد ﷺ کی حاکمیت کو تسلیم نہ کیا جائے ایمان کی دولت نصیب نہیں ہو سکتی۔

قرآن پاک چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات رحمٰن و رحیم ہے اس لئے یہ بات ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قرآن پاک کے مطابق فیصلہ کرنے اور قرآن کے فیصلوں کو تسلیم کرنے سے ہی امت مسلمہ کی عظمت رفتہ بحال ہو سکتی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ (12)	بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن پاک) کے ذریعے بعض لوگوں کو رفعت و سر بلندی عطا فرماتا ہے اور اسی (کے دامن کو چھوڑنے) کی وجہ سے کچھ لوگ ذلت و رسوائی کا شکار ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں احکام قرآن پر عمل پیرا ہو کر ان کی برکات سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

مراجع

1- قرآن مجید 37'13

2- " 57'6

3- " 50'5

4- " 37'13

5- تفسیر صاوی علی الجلالین جلد اول حصہ 2 ص 233

6- قرآن مجید 80'4

7- " 146'6

8- " 44'5

9- " 48'5

10- " 44'16

11- " 65'4

12- مشکوۃ شریف ص 184

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اتحاد عالم اسلام کا نقیب

اسلام امن و سلامتی اور وحدت کا علمبردار دین ہے اس کی تعلیمات ' وحدت ' یگانگت ' اتحاد ' مودت اور رفاقت کا سرچشمہ اور آئینہ دار ہیں۔ اگر اس کی بنیادوں کو عقیدہ توحید و رسالت پختہ کرتا ہے۔ جو بکھرے ہوؤں کو ملاتا ' ٹوٹے ہوؤں کو جوڑتا اور انتشار و افتراق کے شکار لوگوں کو وحدت ملی کی تسبیح میں پروتا ہے تو اس عمارت اسلام کا ڈھانچہ ان عبادات سے مرکب ہے جن کا بنیادی فلسفہ اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرنا اور انتشار و افتراق کے ناسور سے اسے محفوظ رکھنا ہے۔

نماز بے حیائی اور برائی کا قلع قمع کر کے ایک صاف ستھرا معاشرہ تشکیل دیتی ہے جو عداوت اور نفرت کی بجائے محبت اور دوستی کے ماحول میں پروان چڑھتا ہے۔

زکوۃ ' معاشی ناہمواری اور امارت و غربت کے امتیاز کی بنیاد پر قائم ہونے والے بت ' کو پاش پاش کر کے باہم حسن سلوک اور بھائی چارے کی راہ دکھاتی ہے۔

حج ملت اسلامیہ کو ایک ہی لباس میں ملبوس کر کے ایک مرکز پر ان کی نگاہوں کو مرکوز کر دیتا ہے اور روزہ جس کی فرضیت کے لئے ماہ رمضان المبارک کو مختص کیا گیا وحدت ملی اور اتحاد عالم اسلام کے لئے بے شمار راہیں کھولتا ہے۔

اس حقیقت سے کسے مجال انکار ہو سکتی ہے کہ شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے اور حدیث پاک کے مطابق وہ انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ مسلمانان عالم کو متفق و متحد دیکھ کر کبھی خوش نہیں ہو سکتا اس لئے وہ مختلف حربوں کے ذریعے مسلمانوں کے درمیان انتشار کا بیج بوتا رہتا ہے لیکن ماہ رمضان المبارک کی آمد پر اس شیطان کو یوں جکڑ دیا جاتا اور بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں کہ اب وہ اپنی ان مذموم کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

وہ حسرت بھری نگاہوں سے مساجد کو نمازیوں سے بھرا ہوا دیکھتا ہے وہ مسلمانوں کی ایک ہی راہ پر چلتے ہوئے صبح سے شام تک کھانے پینے سے اجتناب کرتے اور سحری و تراویح میں ایک ہی لگن میں مشغول دیکھ کر دانت پیس کر رہ جاتا ہے لیکن وہ ان کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ گویا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے باہمی انتشار کو ختم کرنے اور اتحاد قائم کرنے کا ایک سنہری موقع فراہم کیا ہے بشرطیکہ ہم اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

رمضان المبارک کی سب سے اہم اور خصوصی عبادت روزہ ہے اگر روزے کے مقاصد اور فلسفہ کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ روزہ ملت اسلامیہ کے اتحاد کا ایک اہم ذریعہ ہے کیونکہ روزے کا بنیادی مقصد حرص و آز اور لالچ کا قلع قمع کرنا اور خواہشات کو حکم ربانی کے تابع کرنا ہے اس لئے کہ جب انسان روزے سے ہوتا ہے تو چاہے کتنا ہی من پسند کھانا اس کے سامنے پیش کیا جائے وہ اسے ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایسا کرنا اسکے خالق و مالک کی نافرمانی ہے یہی وہ درس ہے جو روزہ ہمیں دیتا

چاہتا ہے کہ جب دوسروں کا مال تمہیں پسند آ جائے اور تم اسے حاصل کرنے کی حرص کرتے ہوئے لالچ کا شکار ہو چکے ہو لیکن فوراً" یہ خیال آتا ہے کہ ایسا کرنا میرے رب کی حکم عدولی ہے گمراہی ہے بغاوت اور سرکشی ہے تو یہ سوچ کر انسان اس سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور احکام خداوندی کے مقابلے میں اپنی خواہش کو ٹھکرا دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم رمضان المبارک میں حاصل ہونے والے اس درس کو خضر راہ بنالیں تو باہمی جھگڑے نیست و نابود ہو جائیں _ اور امت مسلمہ تسبیح میں پروئے ہوئے دانوں کی طرح یکجا ہو جائے۔ اس لئے کہ جھگڑے کی سب سے بڑی بنیاد دولت کی ہوس ہے۔ اور روزہ شریعت کے ساحل پر پہنچانا چاہتا ہے۔

حضرت ابوالعباس سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا _ یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتائیے کہ جب میں اس کو کروں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرنے لگے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں _ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْ مَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ (1)	دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے دلچسپی نہ رکھو لوگ تم سے محبت کریں گے۔

رمضان المبارک کے مہینے کو ہادی دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے شہرالمواساۃ یعنی غمخواری کا مہینہ قرار دیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ روزہ دار جب روزے کی حالت میں بھوک اور پیاس برداشت کرتا ہے تو اسے بھوکوں کی بھوک اور پیاسوں

کی پیاس کا احساس پیدا ہوتا ہے اور شریعت مطہرہ کا منشاء بھی یہی ہے کہ انسان روزہ رکھ کر دوسروں کی مشکلات کو محسوس کرتے ہوئے ان کی پریشانیوں کا ازالہ کرے اور یہی وہ عمل ہے جو باہمی محبت و مودت کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے جب غریب آدمی دیکھتا ہے کو دولت مند اس کے مسائل کو حل کرتا ہے اس کی مشکلات کو دور کرنے میں ممد و معاون بنتا ہے اور اس کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے تو نفرت کی دیواریں خود بخود ٹوٹنا شروع ہو جاتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْهَا وَ بُغْضِ مَنْ اَسَاءَ اِلَیْهَا" (2)

"فطری طور پر لوگ اس سے محبت کرتے ہیں جو حسن سلوک کرے اور اس سے بغض رکھتے ہیں جو ان سے بد سلوکی کرے"

یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ باہمی اتحاد کا قیام ذہنی ہم آہنگی کے بغیر ناممکن ہے جب تک دو فریقوں میں ذہنی ہم آہنگی نہ ہو۔ ان کے درمیان اتحاد قائم نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک میں امیر و غریب سب پر روزہ فرض کر کے اس بات کو واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک امت مسلمہ کے تمام افراد یکساں حیثیت کے حامل ہیں کسی کو روزے سے صرف اس لئے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ دولت مند ہے اگر روزے کی اس حکمت کو سامنے رکھا جائے اور اسے مشعل راہ بنانے کی کوشش کی جائے تو یقیناً اس بات کو سمجھنے اور اپنانے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہو گی کہ ہمارے اتحاد کی بنیاد کلمہ طیبہ ہے۔ دولت اقتدار اور دنیوی سازو سامان کی فراوانی کسی کی عظمت اور غربت و افلاس کسی کی پستی کا باعث نہیں۔ یہ وہ تصور ہے جو اتحاد کے راستے میں موجود تمام رکاوٹوں کو دور کر دیتا

ہے۔ روزہ جس طرح جسمانی بیماریوں کا ازالہ کر کے انسانی صحت میں ایک کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اسی طرح یہ تزکیہ قلب کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ روزہ دار حکم خداوندی پر عمل کر کے جب حلال اشیاء سے اجتناب کرتا ہے تو حرام اور ناجائز امو سے اجتناب اس کی اہم ذمہ داری قرار پاتی ہے اور اس طرح وہ اپنے دل کو تمام اخلاق ذمیمہ سے پاک کر دیتا ہے۔ اور جب انسان کا دل پاک ہو جائے، بغض، حسد اور کینہ جیسی روحانی بیماریوں سے اسے نجات حاصل ہو جائے تو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھتا ہے اور فانی دنیا کے لئے نہ تو اس کا گلا دبا تا ہے، نہ اس کی ہلاکت کا مرتکب ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے اختلاف کی راہ اختیار کرتا ہے اور جب یہ جذبہ افراد سے ممالک تک پہنچتا ہے تو عالم اسلام کے باہمی اختلافات هَبَاءً مَّنْثُوْرًا ہو جاتے ہیں

گویا رمضان المبارک وہ بابرکت مہینہ ہے جسے امت مسلمہ کے اتحاد کا نقیب بنایا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کے دیئے ہوئے سبق کو کما حقہ سمجھنے کے بعد اس سے فائدہ اٹھایا جائے محض رسمی عبادت کبھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتی۔

مراجع

1- الدر المنثور جلد 3 ص 238

2- حلیۃ الاولیاء جلد 4 ص 121

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تزکیہ قلب کا مہینہ

انسانی جسم میں قلب یعنی دل کو ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے تمام اعضاء کی درستگی اس کے ٹھیک رہنے اور ان کا بگاڑ اس کی خرابی پر منحصر ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا

اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ (1)

سنو! بے شک جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ صحیح ہوتا ہے تو تمام جسم صحیح ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے سنو! وہ (ٹکڑا) دل ہے۔

دل کی مثال ایک تالاب اور باقی اعضاء کی مثال نالیوں کی ہے اگر تالاب میں پانی صاف ہو گا تو نالیوں سے نکلنے والا پانی بھی صاف شفاف ہو گا اور تالاب میں پانی گدلا ہو گا تو نالیوں سے بھی گدلا پانی باہر آئے گا۔

اس لئے اسلام میں دل کی پاکیزگی یا تزکیہ قلب پر بہت زور دیا گیا ہے چنانچہ صوفیا کرام جن کی مساعی جمیلہ سے امت مسلمہ صراط مستقیم پر گامزن ہے اسی تزکیہ قلب کی تعلیم دیتے چلے آئے ہیں۔

جب تزکیہ قلب ہو جاتا ہے اور دل کا آئینہ تمام آلائشوں سے صاف شفاف ہو جاتا ہے تو اس پر القائے حق ہوتا ہے اور ایسے شخص کی زندگی میں نفس

و شیطان کا عمل دخل باقی نہیں رہتا۔

حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں

"میں بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نیکی کے بارے میں پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں' آپ نے فرمایا نیکی وہ ہے جس پر تمہارا نفس اور دل مطمئین ہو جائیں اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور دل میں تردد پیدا ہو۔ (2)

گویا جب تزکیہ قلب ہو جاتا ہے تو دل میں نیکی اور بدی کی تمیز پیدا ہو جاتا ہے نیکی پر اطمینان اور برائی پر پریشانی ہوتی ہے۔ تزکیہ قلب کے لئے رمضان المبارک سے بہتر کوئی وقت نہیں ہے کیونکہ اس مقصد کے حصول کے لئے جو امور ضروری ہیں وہ تمام اس ماہ مبارک میں حاصل ہوتے ہیں۔

تزکیہ قلب کے لئے سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ دل سے تمام تصورات کو نکال کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی محبت کو جگہ دی جائے۔ جب یہ صورت پیدا ہو گی تو دل تمام اعضاء کو انہیں کاموں کا حکم دے گا جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اور شریعت مطہرہ کے موافق ہیں۔ کان وہ بات سنیں گے جو خدا چاہتا ہے آنکھیں ادھر اٹھیں گئیں جو منشائے خداوندی کے مطابق ہے' زبان پر وہی کلمات جاری ہوں گے جو خالق کائنات کو پسند ہیں' ہاتھ اسی چیز کو چھوئیں گے جس کو پکڑنا رضائے الٰہی سے متصادم نہ ہو' پاؤں اسی جانب اٹھیں گے جو مقام عنداللہ محبوب و محترم ہے اور حدیث قدسی کے مطابق اب ایسے انسان کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے مطابق حرکت کرتے ہیں۔

روزے کے ذریعے یہ وصف یوں پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمان صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے سے اجتناب کرتا ہے تو اس کے پس منظر میں حکم خداوندی کارفرما ہوتا ہے وہ بھوک کے باوجود کھانا نہیں کھاتا' پیاس کے باوجود پانی کو ہاتھ تک نہیں لگاتا اس لئے نہیں کہ اسے کھانا اور پانی میسر نہیں' اس لئے بھی نہیں کہ وہ مخلوق سے ڈرتا ہے وہ چھپ کر گھر کے کونے میں بھی کھا سکتا ہے وہ صرف اور صرف اپنے خالق و مالک کے حکم کی بجاآوری میں ایسا کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے اور اس کا ایمان ہے کہ اس کو پیدا کرنے والا عالم الغیب والشھادۃ ہے اور وہ گھر کے کونے میں بھی اسے دیکھ رہا ہے گویا روزہ یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ اسے اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں اپنی خواہشات کی تکمیل سے باز رہنا چاہیے۔

اب جب دل میں صرف اسی ذات باری تعالیٰ کا تصور ہو گا اور کسی چیز کے لئے جگہ نہیں ہو گی تو عملی زندگی میں وہ ہر قدم اپنے رب کی رضا کے لئے اٹھائے گا وہ دوکاندار ہے یا ملازم' آجر ہے یا اجیر' افسر ہے یا ماتحت' حاکم ہے یا محکوم' اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں ذات باری تعالیٰ کو سامنے رکھے گا کیونکہ اب اس کا دل اسے کسی دوسری بات کا حکم ہی نہیں دیتا۔

تزکیہ قلب کے لئے دوسری ضروری بات یہ ہے کہ دل کو تمام رذائل سے پاک کیا جائے اور صفات ذمیمہ کے زنگ کو دور کر کے اسے پاک صاف کر دیا جائے تاکہ یہ تجلیات الہیہ کا پرتو بن سکے۔ اور یہ عمل بھی ماہ رمضان میں باحسن طریق ہو سکتا ہے کیونکہ اس ماہ مبارک میں شیطان کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں برائی کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں اور نیکی کی راہیں کھل جاتی ہیں روزہ جس کا بنیادی مقصد نفس امارہ کو کنٹرول کرنا ہے جب خواہشات نفسانیہ کو کچل کر رکھ دیتا ہے اور

چغلی، غیبت، جھوٹ، بددیانتی، گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے سے کلی طور پر اجتناب کیا جاتا ہے تو ان تمام برائیوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور قلب مومن کی فضا صاف شفاف ہو جاتی ہے۔

لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ روزے کے بنیادی مقصد اور فلسفے کی پہچان حاصل کی جائے اور وہ تقویٰ ہے یہی وجہ ہے کہ محض کھانے پینے سے رکنے کو مشقت لاحاصل قرار دیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صَوْمِهِ إِلَّا الْجُوْعُ وَالْعَطَشُ (3) کتنے ہی روزہ دار ہیں جن کو بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حلال کھانے سے اجتناب کرتے ہیں لیکن غیبت کے ذریعے حرام گوشت سے اپنا روزہ توڑ دیتے ہیں۔

انسانی قلب کو میلا کرنے کا ایک اہم سبب دنیوی مال کی حرص ہے انسان جب دولت کو زندگی گزارنے کا ذریعہ سمجھنے کی بجائے اس سے محبت کرنے لگتا ہے تو تمام اخلاقی قدروں کو پامال کر دیتا ہے، خونی رشتے اور اسلامی اخوت تک کو بھلا دیتا ہے، دولت کی محبت، بے شمار گناہوں اور معاشرتی بگاڑ کا باعث ہے سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ دنیا سے محبت ہر گناہ کی بنیاد ہے۔

(4)

لیکن رمضان شریف میں انسان روزہ رکھ کر غرباء اور نادار لوگوں کی حالت

زار کا احساس کر سکتا ہے اور اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ بھوک اور پیاس کے ستائے ہوئے لوگوں کی زندگی کس قدر اجیرن ہوتی ہے چنانچہ اس میں سخاوت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے مال میں محروم طبقے کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا اور ارشاد فرمایا

وَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ (5) اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور محروم طبقے کا حق ہے۔

بلکہ رمضان المبارک میں خصوصی طور پر صدقات و خیرات کے ذریعے مساکین کی ضرورتوں کو پورا کرنا سنت نبوی ہے حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک کے مہینے میں آپ تیز ہوا کی طرح ہوتے اور کچھ بھی نہیں چھوڑتے تھے (6)

تو یوں رمضان غمخواری کا جذبہ پیدا کر کے اور سخاوت کا خوگر بنا کر جب دل سے دنیوی مال و منال کی محبت نکال دیتا ہے تو دل پاک صاف ہو جاتا ہے تزکیہ قلب کی ایک اور صورت یہ ہے کہ انسان کا عمل ریا کاری سے پاک ہو اس کے دل میں صرف وہی ذات بستی ہو اور اس کی کوئی نیکی مخلوق خدا کو دکھانے یا کسی دوسرے مقصد کے لئے نہ ہو۔

چونکہ رمضان المبارک میں روزہ فرض ہے اور روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو دکھائی نہیں دیتی اور جب تک دوسرے آدمی کو بتایا نہ جائے اسے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ شخص روزے سے ہے لہٰذا اس میں ریاکاری کا امکان کم ہوتا ہے۔

گویا یہ مبارک مہینہ ریاکاری سے اجتناب کی تعلیم دیتا ہے اور ریاکاری کا تعلق دل سے ہے انسان کا دل چاہتا ہے کہ لوگ اسے بہت بڑا نمازی سمجھیں وہ

جہاد کرتا ہے تو اس مقصد کے لئے کہ اسے غازی سمجھا جائے۔ یوں وہ اس غلط نیت کی بنیاد پر اپنے نیک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔ لیکن رمضان المبارک کی خصوصی عبادت اسے ریاکاری سے بچنے کا درس دیتی ہے اور اب اس کا قلب ان تمام خواہشات سے پاک ہو جاتا ہے۔

غرضیکہ ماہ رمضان المبارک عبادات، ذکر خداوندی، غم خواری، حسن معاملہ اور تمام روحانی اقدار کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اگر اس مہینے کی برکات سے غفلت نہ برتی جائے تو مسلمان اس میں تزکیہ قلب کی دولت سے مالا مال ہو سکتا ہے اور یہی نجات کا راستہ ہے ارشاد خداوندی ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (7) اس شخص نے فلاح پائی جس نے تزکیہ حاصل کیا اپنے رب کے نام کا ذکر کیا اور نماز پڑھی

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں رمضان المبارک کی روحانی برکات سے مالا مال ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اس ماہ مبارک کو ہمارے لئے تزکیہ قلب کا باعث بنائے _ آمین ثم آمین

مراجع

1- صحیح بخاری جلد اول ص 13

2- مسند امام احمد بن حنبل جلد 4 ص 227

3- سنن ابن ماجہ ص 122

4- شعب الایمان جلد 7 ص 338 حدیث 10501

5- قرآن مجید 19'51

6- احیاء العلوم جلد 2 ص 197

7- قرآن مجید 15'14'87

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبادت کا خصوصی مہینہ

حیات انسانی کا بنیادی مقصد' عبادت خداوندی ہے اس لئے عبادت کسی سال مہینے دن یا رات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مومن کی ہر گھڑی ' ہر سانس اور رات دن کی تمام ساعات اسی اہم فریضہ کی تکمیل کے لئے وقف ہونی چاہیں۔

بنیادی طور پر عبادت' حکم خداوندی کو بجالانے کا نام ہے اس لئے ہر وہ اچھا کام جو اللہ تعالٰی کی خوشنودی اور اس کے محبوب مکرم ﷺ کی اتباع کے جذبے سے سرشار ہو کر کیا جائے' عبادت کہلاتا ہے بلکہ اوراد و وظائف ' تسبیح و تہلیل ' تعلیم و تعلم علوم دینیہ اور کسب حلال کے لئے اپنے آپ کو مستعد اور ہشاش بشاش رکھنے کی خاطر مومن کا آرام کرنا اور سونا بھی عبادت کے زمرے میں آتا ہے۔

اصطلاحی طور پر عبادت چند مخصوص اعمال کا نام ہے جن میں سے چار عمل نہایت اہم اور بنیادی حیثیت کے حامل ہیں اور سرکار دو عالم ﷺ نے کلمہ طیبہ کے بعد ان چاروں کو اسلام کی بنیاد قرار دیا ہے۔

یہ چار ارکان اسلام ' نماز ' روزہ ' زکوٰۃ اور حج کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں اور ان کی ادائیگی ہر بالغ عاقل مسلمان پر فرض ہے اگرچہ زکوۃ اور حج کے لئے کچھ مالی شرائط بھی ہیں۔

ماہ رمضان المبارک وہ بابرکت اور ممتاز مہینہ ہے جس میں عبادت کی یہ

چاروں صورتیں کسی نہ کسی انداز میں دوسرے مہینوں کے مقابلے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ ماہ رمضان میں ان عبادات کی کثرت ظاہری اور حسی طور پر بھی ہے اور معنوی اعتبار سے بھی۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح ہو گا کہ رمضان المبارک کا مہینہ عبادت کا مہینہ ہے۔

سب سے پہلے نماز کو لیجئے، باقی مہینوں میں پانچ وقت کی فرض نماز اجتماعی طور پر ادا کی جاتی ہے اگرچہ انفرادی طور پر لوگ نوافل بھی پڑھتے ہیں لیکن رمضان المبارک میں اس اجتماعی نماز پر بیس رکعات یومیہ کا اضافہ ہوتا ہے جہاں پانچ وقت کی فرض نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے وہاں مسلمان اکٹھے ہو کر تراویح کی بیس رکعات بھی ادا کرتے ہیں اسی طرح سحری کھانے کے لئے جب بیداری ہوتی ہے تو تہجد کی نماز ادا کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔

یہ تو نماز جیسی اہم عبادت میں اضافہ کی ظاہری صورت ہے اس کے علاوہ ثواب کے اعتبار سے بھی یہ عبادت بڑھ جاتی ہے کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا

> "جو شخص اس مہینے میں ایک (نفلی) بھلائی کے ساتھ قرب خداوندی حاصل کرے گویا اس نے دوسرے مہینوں میں فرض ادا کیا اور اس میں فرض ادا کرنے والا دوسرے مہینوں میں ستر فرائض ادا کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرتا ہے۔" (1)

تو یوں ایک نفل فرض کے برابر اور ایک فرض ستر فرائض کے برابر ہو جاتا ہے اس لئے رمضان المبارک میں نماز سے غفلت ایک غیر دانشمندانہ اور نقصان دہ طرز عمل ہے سحری کے وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے دو چار یا جس قدر ممکن ہو نوافل پڑھیں اور اگر مستقل وقت نہ مل سکے تو ہر فرض نماز کے ساتھ نفل ضرور

پڑھے جائیں۔

عبادات میں سے دوسری اہم عبادت روزہ ہے اور رمضان المبارک کا مہینہ تو روزے کے لئے مخصوص ہے ہر بالغ عاقل مسلمان ہر روزہ فرض ہے اور اگر وہ سفر یا بیماری کی وجہ سے رمضان شریف میں روزہ نہ رکھ سکے تو قرآن پاک میں "فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ" کے ذریعے عید کے بعد ان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کر کے تعداد مکمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اگر ہم بغور جائزہ لیں تو یہ بات واضح طور پر معلوم ہو گی کہ روزہ نہ صرف عبادت ہے بلکہ کئی عبادات کی بنیاد ہے کیونکہ روزے کی حالت میں بھوک اور پیاس کا احساس ہوتا ہے تو صدقات وخیرات جیسی اہم عبادت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے روزے کی حالت میں جب حکم خداوندی کی بجاآوری کا ایک عظیم درس ملتا ہے تو یہی سبق دیگر احکام خداوندی کی ترغیب دیتا ہے اور یوں انسان اطاعت خداوندی کا خوگر بن جاتا ہے اور اس طرح کئی عبادات کی بجاآوری کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ روزہ نفس امارہ کو کنٹرول کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے لہٰذا اس طرح برائیوں سے اجتناب کی راہ اختیار کر کے بھی عبادت کی جا سکتی ہے

عبادت کی تیسری اہم اور حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی پر مبنی صورت زکوۃ ہے۔ اگرچہ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے کوئی مہینہ مختص نہیں کیا گیا لیکن مسلمانوں کا طریق کار یہ ہے کہ وہ رمضان المبارک میں اپنے اموال کی زکوۃ ادا کر کے فرض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس ماہ مبارک کی برکات سے بھی متمتع ہوتے ہیں بلکہ ستر گنا زیادہ ثواب حاصل کرتے ہیں۔ معاشرتی اعتبار سے رمضان المبارک میں زکوۃ کی ادائیگی کا یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ غرباء اور نادار لوگ زکوۃ کی

رقم سے کھانے پینے کی اشیاء خریدتے ہیں اور یہی اشیائے خورد و نوش سحری و افطاری کیلئے استعمال ہوتی ہیں تو زکوۃ دینے والے کو " تعاونوا علی البر والتقوی" کے مطابق ان نادار مسلمان کی نیکی میں معاونت کا ثواب بھی ملتا ہے۔

اس کے علاوہ صدقہ فطر جو واجب ہے اس کی ادائیگی بھی ماہ رمضان المبارک میں ہوتی ہے کیونکہ عیدالفطر سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنے کا ثواب زیادہ ہے جس کی بنیادی وجہ مستحقین کو عید کی خوشیوں میں شریک کرنا ہوتا ہے' فرض اور واجب صدقہ کے علاوہ اس مبارک مہینے میں نفلی صدقات کے ذریعے بھی فرض کا ثواب حاصل کرنا سعادتمندی ہے لہٰذا زکوۃ اور صدقہ فطر کی ادائیگی کیساتھ ساتھ مستحقین کے لئے خورد و نوش کی اشیاء اور ان کے بچوں کے لئے عید کے کپڑے اور اس طرح کی دیگر ضروریات میں ان کا ہاتھ بٹانا بھی باعث ثواب ہے۔

اگر ہم نمائشی افطار پارٹیوں اور غیر مستحق لوگوں کی افطاری پر ہزاروں روپے خرچ کرنے کی بجائے وہی رقم بے سہارا' بے روزگار اور معذور و مجبور افراد کو دے دیں تو اس کے دو فائدے ہوں گے ایک یہ کہ ثواب زیادہ ملے گا اور دوسرا فائدہ یہ کہ معاشرتی بگاڑ اور ناہمواریوں کو ختم کرنے میں بھی مدد ملے گی عبادت کی ایک جامع صورت حج ہے جس میں بدنی مشقت کے علاوہ مال بھی خرچ ہوتا ہے گویا یہ بدنی اور مالی عبادت کا مجموعہ ہے اسکے علاوہ اس میں ملت اسلامیہ کا اجتماع اور مقامات مقدسہ کی زیارت کے ساتھ اس عظیم شخصیت کی بارگاہ میں براہ راست حاضری کا شرف حاصل ہوتا ہے جس کی تعلیمات کے نتیجے میں امت مسلمہ کو بارگاہ خداوندی میں قرب حاصل ہوتا ہے۔

چونکہ حج کے لئے وقت مقرر ہے اور وہ رمضان المبارک کے علاوہ ہے اس

لئے رمضان المبارک میں یہ عبادت مفقود ہوتی ہے لیکن اس کی نیابت میں رمضان المبارک کو عمرہ عطا کیا گیا اگرچہ عمرہ کسی وقت کے خاص نہیں سوائے حج کے چند ایام کے سال بھر میں جب بھی عمرہ ادا کیا جائے سنت پر عمل ہو جاتا ہے لیکن رمضان المبارک میں عمرے کا ثواب زیادہ ہونے کی وجہ سے اس ماہ مبارک میں حرمین طیبین میں مسلمانوں عالم کا اجتماع وہی رنگ اختیار کر لیتا ہے جو حج کے موقعہ پر ہوتا ہے سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا

اِنَّ عُمْرَةً فِیْ رَمَضَانَ تَعدِلُ حَجَّةً بے شک رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے (2)

گویا ماہ رمضان اس اعتبار سے عبادت کا مہینہ ہے اور یہ اعزاز کہ اس میں یوں چاروں عبادات کا اجتماع ہو کسی دوسرے مہینے کو حاصل نہیں ہے۔

عبادت کی ایک اور بابرکت صورت تلاوت قرآن پاک ہے اور قرن پاک سے امت مسلمہ کا جو تعلق اس مہینے میں پیدا ہوتا وہ دوسرے مہینوں میں نہیں ہوتا تراویح میں قرآن پاک کی تلاوت اور سماعت کے علاوہ گھروں میں تلاوت قرآن کی بہار صرف اسی مہینے میں دیکھنے میں آتی ہے خود سرکار دو عالم ﷺ رمضان شریف کے مہینے میں حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن پاک کا دور کیا کرتے تھے۔ (3)

رمضان المبارک میں عبادت کا ایک اہم موقع **"لَیْلَةُ الْقَدْر"** ہے اور حکمت خداوندی کے تحت اس رات کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں مخفی رکھا گیا تاکہ مسلمانوں کو اس کی جستجو میں زیادہ سے زیادہ عبادت کا موقعہ فراہم ہو۔

عبادت کی طرف رغبت تب ہوتی ہے جب راستے کی تمام رکاوٹیں دور ہو

جائیں مثلا رات کو عبادت کے لئے قیام کی خاطر ایسے کاموں سے بچنا ہو گا جو زیادہ نیند کا باعث ہیں جیسے زیادہ کھانا' اسی طرح خواہشات نفسانیہ اور شیطان راہ عبادت میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے تو اللہ تعالیٰ نے روزے کے ذریعے شکم سیری کو ختم کر کے عبادت کی راہ ہموار کر دی یہی وجہ ہے کہ افطاری کے وقت کم کھانے کی ترغیب دی گئی بلکہ طبی اصول بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں

اور شیطانی حرکات کو بھی اس مہینے میں کنٹرول کر لیا جاتا ہے سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا

"جب رمضان شریف کا مہینہ آ جاتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں شیطانوں کو بیڑیاں ڈال دی جاتی ہیں اور ایک منادی اعلان کرتا ہے اے طالب خیر آگے بڑھ اور اے شر کے متلاشی رک جا" (4)

تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل و کرم سے نوازتے ہوئے ایک ایسا بابرکت مہینہ عطا فرمایا جو گلستان عبادت ہے اور اس میں جگہ جگہ اجر و ثواب کے پھول کھلے ہوئے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس گلستان کرم سے گل چینی کر کے اپنے دامن مراد کو بھریں اور اپنے رب کے حضور سرخرو ہوں۔ آمین ثم آمین

مراجع

1- مشکوۃ شریف ص 173 کتاب الصوم

2- مشکوۃ شریف ص 221 'کتاب المناسک

3- " " ص 183 'باب الاعتکاف

4- " " ص 173 'کتاب الصوم

مراجع

1- قرآن مجید

2- تفسیر صاوی

3- تفسیر بیضاوی

4- تفسیر مظہری

5- تفسیر روح المعانی

6- تفسیر الدر المنثور

7- تفسیر کبیر

8- تفسیر قرطبی

9- تفسیر ضیاء القرآن

10- مفردات القرآن (راغب)

11- صحیح بخاری شریف

12- صحیح مسلم شریف

13- جامع ترمذی شریف

14- سنن ابوداؤد شریف

15- سنن نسائی شریف

16- سنن ابن ماجہ شریف

17- شعب الایمان (امام بیہ

18- مسند امام احمد بن حنبل

19- معجم کبیر (طبرانی)

20- مشکوٰۃ المصابیح

21- مجمع الزوائد

22- کنز العمال

23- حلیۃ الاولیاء

24- مرآۃ شرح مشکوٰۃ

25- مواہب اللدنیہ

26- نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلی

27- طبقات ابن سعد

28- سیرت رسول عربی

29- احیاء العلوم (غزالی)

30- دائرہ معارف القرن العشرین

31- لسان العرب